ہندستانی کیا ہے؟

آل انڈیا ریڈیو نے ۲۰ فروری ۱۹۳۹ء سے ۲۵ فروری ۱۹۳۹ء تک "ہندستانی کیا ہے؟" پر چھ تقریریں اُن لوگوں سے کرائی تھیں جو اس سوال کا جواب اچھی طرح دے سکتے ہیں۔ محکمے نے خبروں کے دو ترجمے بھی اُن صاحبوں کو بھیجے تھے کہ ان کی عبارت کی بُرائی بھلائی بھی بتائیں تاکہ اندازہ ہو سکے کہ ریڈیو پر کیسی زبان بولی جائے۔ ترجمے یہ ہیں:

(۱) فیڈرل لیجس لیچر کے لئے فہرست رائے دہندگان تیار کرنے کے سلسلے میں جو ابتدائی کارروائی کی جائے گی۔ اس کے بارے میں سر این این سرکار لا ممبر نے آج اسمبلی میں روشنی ڈالی۔

(۲) سنیکت پرانتیہ ویوستھا پکا پریشد میں ایک پرشن کا اُتر دیتے ہوئے نیائے منتری ڈاکٹر کاٹجو نے اُن اُدیوگ دھندوں کی سوچی دی جن کی اُنتی کے لئے سرکار نے سہایتا دینا سویکار کیا ہے۔

مکتبہ جامعہ یہ تقریریں آل انڈیا ریڈیو کی اجازت سے چھاپ رہا ہے۔ امید ہے کہ ان سے ملک کے ایک مشکل سوال کو بھی سمجھنے میں مدد ملے گی۔

ڈاکٹر تاراچند

۲۰ر فروری ۱۹۳۹ء

ہندوستانی ہمارے دیس کی سب بولیوں میں سب سے زیادہ بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ یہ ہندوستان کے آدھے رہنے والوں کی زبان ہے۔ پنجاب، راجپوتانہ، دلی، آگرہ، اودھ، بہار اور مہاکوشل میں تو ہندوستانی یا اس سے بہت ملتی جلتی بولیاں بچے اپنی ماؤں سے سیکھتے ہیں۔ لیکن ان صوبوں سے باہر ہر ایک بڑے شہر میں اس کے بولنے والے ملتے ہیں اور اس کے سمجھنے والوں کی گنتی تو اور بڑی ہے۔

ہندستانی کوئی من گھڑت بھاشا نہیں ہے، یہ وہی کھڑی بولی ہے جسے میرٹھ اور دلی کے آس پاس کے رہنے والے بہت پرانے وقتوں سے بولتے چلے آئے ہیں، اس کے چاروں طرف اور اور بولیاں بولی جاتی

تھیں۔ اُتر میں پنجابی اور لہنڈا، پچھم میں راجستھانی، پورب میں برج بھاشا اور اُس کے آگے اودھی، بندھیلی، گھونپوری، مگھدی وغیرہ۔ جس زمانے میں راجپوتوں کے ونش ہندستان میں راج کرتے تھے۔ ان بولیوں کا رواج بڑھ رہا تھا۔ پہلے پہل راجستھانی کا ستارہ چمکا اور کویوں نے اس میں کوتائیں لکھیں، جب مسلمانوں نے ہندستان کو فتح کیا۔ اور دلی کو راجدھانی بنایا تو ہندستانی کی قسمت پلٹی، دلی کی انجان بولی ہندستان کے ڈاکیوں کی زبان پر چڑھی، یہ اسے اپنے ساتھ گجرات اور دکن لے گئے، لشکروں، بازاروں اور خانقاہوں میں اسی کی دھن سنائی پڑنے لگی، سپاہی، دکان دار اور صوفی درویش اس میں بات چیت کرنے لگے۔ جب اس میں دھرم کا پرچار اور شہر کا کاروبار چلنے لگا تو یہ راج درباروں میں پہنچی اور دکن کے سلطانوں کے ہاتھوں پروان چڑھی۔ قصے کہانیاں، غزلیں قصیدے، مرثیے اور مذہبی نظمیں بھی ہندستانی میں لکھی جانے لگیں۔ چاروں طرف اس کا ڈنکا بجا تو دلی والوں کو بھی اپنی بھولی بسری بھاشا کی سدھ آئی اور مغل بادشاہوں اور اُن کے درباریوں نے بڑے چاؤ سے اس کی آؤ بھگت کی۔ اب ہندستانی کی دن دونی رات چوگنی ترقی ہوئی۔ پر دلی میں آکر مغل دربار کی چھایا میں اس کا رنگ بدلا۔ بادشاہ، امیر اور عالم فارسی یا ترکی بولتے تھے۔ اُن کے کان ہندستانی کی آوازوں سے آشنا نہ تھے۔ اور ان کی زبانوں سے اس کے لفظوں کا ٹھیک ٹھیک ادا ہونا کٹھن تھا۔ انھوں نے دکن میں بنی ہندستانی کی کاٹ چھانٹ شروع کی اور اُسے فارسی سے ملانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

اِس بیچ میں اُتری ہندُستان میں راجستھانی کی جگہ برج بھاشا اور
اودھی نے لی۔ سورؔ، تُلسیؔ، بہاریؔ، رحیمؔ جیسے مہاکویوں نے ان بولیوں کو
دھرتی سے آسمان پر پہنچایا اور ان کے خزانوں کو ان مول رتنوں سے
بھر دیا۔ اٹھارویں صدی کے انت تک یہ حالت رہی کہ برج اور اودھی
جیسی بھاشاؤں میں ایک طرف اردو فارسی ملی ہندُستانی یا اردو میں کوتا ہوتی
رہی دوسری طرف۔ فارسی دربار اور کچہری کی، عربی یا سنسکرت مدرسوں
اور پاٹھ شالاؤں کی زبان بنی رہی۔ جب اٹھارویں صدی ہندُستان سے
بدا (وداع) ہو رہی تھی تو انگریزوں کا دیس پر قبضہ ہوا۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا
کہ انگریز فارسی کو سرکاری زبان مان لیتے، انھوں نے فارسی کو سنگھاسن
سے اتار انگریزی کو اس کی جگہ بٹھایا، عربی، فارسی اور سنسکرت کو پُرانے
ڈھروں پر چلنے والوں کے لئے چھوڑ ہندُستانی سے نئی پودھ کے پڑھانے
لکھانے کا کام لینے کا ارادہ کیا۔ اس میں کٹھنائی یہ تھی کہ اردو، برج اور
اودھی میں کوِتا تو بہت تھی پر پڑھائی کی کتابیں کم۔ فورٹ ولیم کالج کے
پرنسپل جان گلکرائسٹ نے اس کمی کو اس طرح پورا کیا کہ ہندُستان سے میر امنؔ،
افسوسؔ، حیدریؔ، کاظم علی جواںؔ، وِلا جیسے اردو کے اچھے اچھے لکھنے
والوں کو کلکتے میں بلوایا اور ان سے نثر میں کتابیں لکھوائیں۔ انھوں نے
پرانی کتابوں کو سامنے رکھ باغ و بہار، آرائش محفل، طوطا کہانی، بارہ ماسا
بیتال پچیسی وغیرہ لکھیں۔ ہندوؤں کے لئے للوجی لال، بدل مصر
بینی نرائن وغیرہ کو حکم ملا کہ نثر (گدھ) کی کتابیں تیار کریں۔ انھیں اور بھی زیادہ
مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ادب یا ساہتیہ کی بھاشا تو برج تھی لیکن اس میں

گدھ یا نثر نام کے لئے ہی تھا، کیا کرتے، اُنھوں نے یہ راستہ نکالا کہ میر امّن، افسوس وغیرہ کی زبانوں کو اپنایا۔ پر اس میں سے فارسی، عربی کے لفظ چھانٹ دیئے اور سنسکرت اور ہندی کے رکھ دیئے اور پریم ساگر نا سی کیتو پاکھیان جیسی پوتھیاں تیار کیں۔

اس طرح دس برس سے بھی کم کی مُدت میں دو نئی زبانیں اپنے اصلی گھوارے سے سینکڑوں کوس کی دوری پر دیسیوں کے اشارے سے بن سنور رنگ منچ پر آ کھڑی ہوئیں دونوں کی صورت مورت ایک تھی۔ کیوں کہ دونوں ایک ہی ماں کی بیٹیاں تھیں۔ پھر دونوں کے سنگار، کپڑے اور زیور میں کچھ فرق نہ تھا پر دونوں کے مکھڑے ایک دوسرے سے پھرے ہوئے تھے اس ذرا سی بے رُخی نے دیس کو دبدھا میں ڈال دیا۔ اور اس دن سے آج تک ہم الگ الگ دو راہوں پر بھٹک رہے ہیں۔

سو برس گذر گئے۔ ہمارے جیون کے آکاش میں آندھیاں آئیں، بادل گرجے، بجلیاں چمکیں، ہندُستان کو بلاؤں کا سامنا کرنا پڑا، مصیبتیں جھیلنی پڑیں، غریبی، بھوک بیماری، جہالت کے دکھوں سے کُڑھنا پڑا۔ آخر اس ڈراؤنی رات کے گہرے سناٹے میں دیس نے کروٹ بدلی۔ قوم کی آتما جاگی، مدتوں کے بچھڑوں میں ملنے کی خواہش ہوئی، جی کی سونی بستی کو آباد کرنے کا خیال اُبجا۔ دلوں میں غلامی کی زنجیروں کو توڑنے، بے بسی اور لاچاری کی ہتھکڑیوں کو کاٹنے کا حوصلہ اٹھا۔ کچھ من چلے دور دیکھنے والوں نے اب دیکھا ہندُستان ہمارا گھر ہے۔ اس میں بہت سے کنبے رہتے ہیں ان میں ابھی تک آپس میں ان مناپن ہے۔ کہیں کہیں بیر ہے۔ ضرورت

اس بات کی ہے کہ سب کنبوں کو ملا کر ایک بڑا خاندان بنائیں۔ سب کو ایک چھم کی چھایا میں اکٹھا کریں۔ کنبوں کی اپنی اپنی چال ہے بولیاں ہیں۔ یہ سب اچھی ہیں یہ بڑھیں پھلیں پھولیں پر سارے خاندان کی ایک بولی ہونی چاہیئے۔ جس میں سب ایک دوسرے کے ساتھ بات چیت کر سکیں، اپنے دلوں کا حال بتلا سکیں۔ بھاشاؤں کی کھوج کرنے والوں کا کہنا ہے کہ بھاو ہی سے آدمی کی بولی کا جنم ہوا ہے۔ آدمی کے دل کو پریم نے گُدگدایا تو اسے ظاہر کرنے کے لئے آوازوں نے لفظوں کی صورت لی۔ ہندُستان کو پریم کے رشتے میں باندھنے کے لئے ایک بولی چاہیئے تھی۔ وہ بولی کون سی ہو سکتی تھی۔ وہی جسے ہندوؤں کی پرانی راجدھانی دِلّی کے رہنے والے سدا سے بولتے آئے تھے جسے مسلمانوں نے گمنامی کے پردے سے باہر نکالا تھا۔ اور جسے ایسٹ انڈیا کمپنی نے اُنیسویں صدی کے شروع میں رواج دیا تھا وہی جو آج آدھے ہندستان کی جیبھ پر کھیلتی ہے اور ہمارے کانوں کو سُہاتی ہے۔

اس بولی میں اور صوبوں کی بولیوں میں کوئی کھینچ تان نہیں وہ ان کی جگہ لینے کی دعویدار نہیں، اس کا تو صرف اتنا حوصلہ ہے کہ دیس کی عام زبان بنے۔ کیوں کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی دیسی بھاشا عام زبان کا کام دے سکے۔ یہ تو سب مانتے ہیں کہ عام زبان کی حیثیت سے ہندُستانی ہی سرکاری اور دفتری زبان ہونی چاہیئے اس میں راج سبھاؤں کے ممبر اور صوبوں کے نمائندے بحث کریں اسی کے ذریعے کانگریس اور ہندی مجلسوں کی بیٹھکوں کی کارروائی ہو سرکاری حکم اور

قانون چھپین - عام زبان ہونے کے علاوہ جن حصّوں میں یہ بچوں کی ماں
کی زبان ہے - وہاں اسی کے ذریعے تعلیم بھی ہو نہ صرف چھوٹے درجوں
میں بلکہ اونچے سے اونچے درجوں میں اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں
جس زبان کو اتنی زبردست اور گنبھیر سیوا کرنی ہے وہ بازارو
بولی نہیں ہو سکتی وہ اونچے ادب اور گہری ودّیاؤں کی بھاشا ہوگی متوں
کے جھمیلوں اور آپس کی ناسمجھیوں نے جس زبان کے مددگاروں کو دو
ٹولیوں میں بانٹ دیا ہے - انھیں مل کر اس کی بیل منڈھے چڑھانی ہوگی
یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہندستانی نہ اردو کے خلاف ہے نہ ہندی کی ورودھی
ہے - ان دونوں کے بیچ میں جو چوڑی کھائی بن گئی ہے - اس پر پل تیار
کرنا چاہتی ہے - دو راہیں جو الگ الگ ہو گئی ہیں - انھیں ملا کر ایسا راج پتھ
بنانا چاہتی ہے جس پر ساری قوم ایک ساتھ آسانی سے چل سکے -

ہندی اور اردو کے الگ ہونے کی وجہ پر وچار کریں تو معلوم ہوگا
کہ یہ ایک ہی ہے ، ہندی لکھنے والے سنسکرت کی طرف اور اردو والے
عربی اور فارسی کی طرف جھکتے ہیں - جہاں کسی نئی بات کے لیے نئے لفظ کی
ضرورت ہوئی جھٹ سنسکرت یا عربی کے بھنڈار کی طرف نگاہ گئی - آج کل
اپنی زبانوں میں یورپ کی ودّیاؤں کو اتارنے کی کوشش ہو رہی ہے -
ان ودّیاؤں میں بہتیرے ایسے خاص لفظ ہیں جن کا بدل ہماری ہندستانی
بولی میں نہیں - ہندی کے لکھنے والے سنسکرت سے اور اردو کے لکھنے
والے اُن کے لئے عربی سے لفظ ادھار لے رہے ہیں اور نتیجہ یہ ہے کہ
ہندی اردو میں اتنا فاصلہ بڑھ رہا ہے کہ ایک کے لئے دوسرے کی

بات سمجھنا کٹھن ہے۔ اگر رویہ یہی رہا تو اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں، سبھاؤں، سماجوں، دفتروں، کچہریوں میں ایسی دورنگی پھیلے گی کہ سارا کام چوپٹ ہو جائے گا۔ کیوں کہ جب تک دیسی بھاشا نیچے درجوں میں پڑھائی کا ذریعہ ہے اور باقی کام انگریزی سے نکلتے ہیں تب تک تو جھگڑا کم ہے۔ لیکن جہاں اس نے انگریزی کی جگہ لینی شروع کی اور اندھی تعلیم اور قانونی بحثوں کا کام اٹھایا وہیں سنسکرت بھری ہندی اور عربی بھری اردو کے پجاریوں میں گتھم گتھا شروع ہوئی۔ اس کا نتیجہ اچھا نہیں۔ یہ دیس کو ایسی بھیانک کشمکش میں پھنسا دے گا کہ جس سے چھٹکارا پانا ناممکن ہے۔

اس دکھ دائی جھگڑے کو مٹانے کا ایک ہی اُپائے ہے۔ ہندی اور اردو کے لکھنے والے ان خاص لفظوں کے لئے جنھیں پری بھاشک شبد یا اصطلاحیں کہتے ہیں ایک ہی لفظ مان لیں۔ حساب، سائنس، فلسفہ، کلا کی کتابوں میں دونوں زبانوں میں چاہے وہ ناگری میں چھپیں چاہے عربی حرفوں میں یہ خاص لفظ ایک ہی رہیں۔ بچوں، نوجوانوں، لڑکوں اور لڑکیوں کی پڑھائی کے لئے ودّیاؤں کی پری بھاشائیں ایک ہی ہونی ضروری ہیں یوں ہندی اردو کا قضیہ بہت حد تک مٹ جائے گا۔ اور آئندہ کے سمجھوتے کی راہ نکل آئے گی۔ اب رہی ادب کی زبان۔ شعر و شاعری، کوتا کہانی، ناول قصے، تاریخ اتہاس وغیرہ کی زبان تو میری رائے میں اس میں پوری آزادی ہونی چاہیے، جو چاہے جس ڈھنگ میں لکھے سبھی زبانوں میں لکھنے کے کتنے ہی ڈھنگ ہوتے ہیں۔ انگریزی کو لیجیے کوئی لکھنے والا اینگلو سیکسن لفظ پسند کرتا ہے تو کوئی لیٹن، کوئی آسان عبارت

لکھتا ہے وہ زیادہ سے زیادہ آدمیوں کی سمجھ میں آجاتی ہے اور کوئی کٹھن جیسے اِتنے گِنے ہی سراہتے ہیں۔ اسی طرح ہماری بھاشا میں بھی لکھنے والوں کی کئی پانیتیں ہو جائیں گی۔ ایک میں وہ ہوں گے جو فارسی کی طرف جھکتے ہیں دوسرے میں وہ جو سنسکرت کا سہارا لیتے ہیں اور تیسرے میں وہ جو بیچ کی راہ چلتے ہیں۔ اس زبان کو اردو کہیے، ہندی یا ہندُستانی اصل چیز ایک ہی ہے۔

میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ علم اور ادب، ودیا اور ساہتیہ کو ایک ہی لاٹھی سے نہیں ہانکنا چاہیئے۔ علم یا ودیا کے خاص خاص لفظ دنیا بھر میں بنا وٹی اور من مانے ہوتے ہیں ہندی اور اردو میں بھی ایسا ہی ہے۔ ناگری پرچارنی سبھا اور انجمن ترقی اردو کی ڈکشنریاں اس کی گواہ ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اس کی کیا ضرورت ہے کہ ہندُستان کے لئے دو طرح کی ڈکشنریاں ہوں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جرمن اور فرانسیسی ایک دوسرے کے جانی دشمن ہیں۔ مگر ان کی زبانوں میں اصطلاحیں یا پری بھاشائیں ایک ہیں۔ یہی نہیں سارے یورپ۔ امریکہ۔ آسٹریلیا اور یورپ کی نوآبادیوں میں دنیا بھر میں ایک اصطلاحیں ہیں۔ میری سمجھ میں پری بھاشاؤں کی بہتات ہندُستان کے لئے اچھی نہیں۔ اس سے ہماری کٹھنائیں بڑھیں گی میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ہندُستان کی بھی زبانوں، بنگلہ، مرہٹی، گجراتی، تامل تلگو میں ایک ہی اصطلاحیں ہوں تاکہ پڑھے لکھوں سائنسدانوں اور کھوج کرنے والوں کو ایک دوسرے کی علمی باتوں کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ اردو اور ہندی میں تو ایسا ہونا بہت ہی ضروری ہے، اصطلاحوں کی ایکسانیت

کے بنا ہمارا تو کام چل ہی نہیں سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ علم اور ادب ودیا اور ساہتیہ کی بھاشا پر لازمی اثر پڑتا ہے۔ اس لئے ہم نے اگر ودیاؤں کی پری بھاشائیں اردو اور ہندی میں ایکساں کر دیں تو آگے چل کر یہ نتیجہ ہوگا کہ ان کے ساہتیوں کی زبان بھی ایکساں ہو جائے گی۔ میری رائے میں یہ نتیجہ کسی طرح برا نہیں۔

کچھ لوگوں کو ضرور یہ ڈر ہے کہ اردو ہندی کے میل سے ایک کھچڑی بھاشا پیدا ہوگی جو ساہتیہ یا ادب کے لائق نہیں ہو سکتی۔ یہ سراسر بھول ہے بھاشائیں تو سبھی کھچڑی ہیں کسی میں باہری لفظ زیادہ ہیں، کسی میں کم۔ مثال کے طور پر سنسکرت کو لیجئے اسے بہت شدھ مانا جاتا ہے لیکن سچ یہ ہے کہ سنسکرت میں سینکڑوں اناریہ لفظ بھرے ہیں۔ عربی کا بھی ایسا ہی حال ہے۔ اس نے نہ جانے کتنے یونانی، فارسی، عبرانی لفظ لے لئے اور آج کل نہ جانے کتنے فرانسیسی، انگریزی لفظ لے رہی ہے۔ برج اور اودھی میں بہتیرے عربی، فارسی، دراوڑ، مرہٹہ شبد گھسے ہیں۔ اردو تو ہے ہی کھچڑی ہندی بھی کتنی ہی بھاشاؤں کے لفظوں کو اپنائے بیٹھی ہے۔ دوسری زبانوں کے لفظوں سے کوئی بات بگڑتی نہیں دھنوان ہوتی ہے، بلوان ہوتی ہے۔ اُدھارے شبدوں کو نکال ڈالیں تو زبانیں پھیکی، کمزور ننگی ہو جائیں، ساہتیہ میں بھدا پن جب ہی آتا ہے جب لکھنے والا ان مل بے جوڑ لفظوں کو ملاتا ہے، میل وہی کانوں کو اچھا لگتا ہے جس میں لفظوں کی آوازوں میں جوڑ ہو، آوازوں سے ایسے سُر نکلیں جو لکھنے والے کے مطلب اور معنی کی طرف اشارہ کریں لفظ بھاؤ بھرے

بچے تُلے اور صاف سمجھ میں آنے والے ہوں۔ جو لوگ اپنی لیاقت جتانے کے لئے موٹے موٹے انجان لفظ لکھتے ہیں وہ ساہتیہ کو زیادہ بھدا بناتے ہیں، وہ نہیں جو روزمرہ کے جانے پہچانے لفظوں کو استعمال کرتے ہیں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ہندی کو سنسکرت سے اور اردو کو عربی سے گوندھ دینا چاہتے ہیں، ان کے نکٹ لفظوں کا سوال سبھیتا یا تہذیب کا سوال ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہندو تہذیب کے لئے سنسکرت اور مسلم سبھیتا کے لئے عربی میں ڈوبی ہوئی بھاشا ہونی نہایت ضروری ہے میری رائے میں یہ بڑی نادانی کی بات ہے۔ اس میں پہلی بھول تو یہ ہے کہ تہذیب کو زبان اور لفظ سے ملا دیا ہے۔ تہذیب کی اصلیت بھاؤ اور وچار ہے۔ وہ بھاؤ جن سے آدمی اپنے جیون کا ارتھ سمجھتے ہیں جو انھیں سُکھ کے راستے اور آنند کی منزل کا پتہ دیتے ہیں وہ وچار جن کی چوڑی اور مضبوط نیو پر سماج کا اونچا محل کھڑا ہوتا ہے۔ بھاؤ اور وچار وہ اصلی سونا ہے۔ جس کی ساکھ پر لفظوں اور زبانوں کے کاغذی نوٹ اور نمائشی سکے چلتے ہیں۔ لفظوں کی مہنتا کو بڑھانا سونے کو چھوڑ ٹھاٹے پر جی لگانا ہے۔

دوسری بھول یہ ہے کہ یہ لوگ تہذیب کو اٹل اور امر سمجھتے ہیں لیکن تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ کوئی سبھیتا سدا ایک سال نہیں رہتی، آدمیوں کے وچار برابر بدلتے رہتے ہیں، سماج کی بناوٹ اور اس کے ممبروں کے آپس کے رشتے کبھی ایک ڈھنگ پر قائم نہیں رہتے۔ سو برس سے ہندستان کے جیون میں جو اُتھل پتھل ہو رہی ہے اُسے کون نہیں جانتا

پرانی وِدّیاؤں کی جگہ یورپ کی نئی سائنس لے رہی ہے، پرانے کاروبار دھندے اور حرفے مٹ گئے، نئی ملیں، کلیں اور کہار جاری ہو رہے ہیں، پرانی ذات برادری، قبیلے فرقے جن سے آدمیوں کے رشتے بندھے تھے۔ ٹوٹ رہے ہیں۔ نئے سنگھٹن اور نئی جماعتیں بن رہی ہیں، ہمیں نہ پرانے راجوں کی نیتی بھاتی ہے نہ سلطانی نہ بادشاہت۔ ہمیں پرجا راج اور سوراج کی چاہت ستاتی ہے۔ ہمارے دلوں سے فرقہ بندی دور ہو رہی ہے اور اس کی جگہ قوم کی محبت لے رہی ہے۔ ہمارے کھانے پینے، رہنے سہنے، اُٹھنے بیٹھنے کے ڈھنگ کچھ سے کچھ ہو رہے ہیں، ہماری کلائیں، وِدّیائیں، سائنس، فلسفہ، پرانی لکیروں کو چھوڑ نئے پنتھوں پر تیزی کے ساتھ قدم آگے بڑھا رہے ہیں۔ ہماری زندگی میں انقلاب ہی لیکن اب بھی یہ لوگ پرانی تہذیب کی نشیلی نیند سے اٹھا نہیں چاہتے۔

پر یہ لوگ اٹھیں یا نہ اٹھیں ہمیں ہندُستانی کے بکھرے موتیوں کو ایک مالا میں گونتھنا ہے، پینتیس کروڑ آدمیوں کو جوڑ کر ایک ایسا زبردست سنگھٹن بنانا ہے جسے دنیا کی کوئی طاقت ہلا نہ سکے، ہمارا دل اس دن کی راہ دیکھ رہا ہے جب ہندُستان بھر میں ایک سماج ایک قوم ہو گی۔ بیر کی بسیلی گانٹھیں ٹوٹ جائیں گی اور سب ہندُستانی ایک دیس پریم کے ناتے میں بندھے ہوں گے۔ ہندُستانی اُسی ایکتا کی جیتی جاگتی بولتی نشانی ہے۔
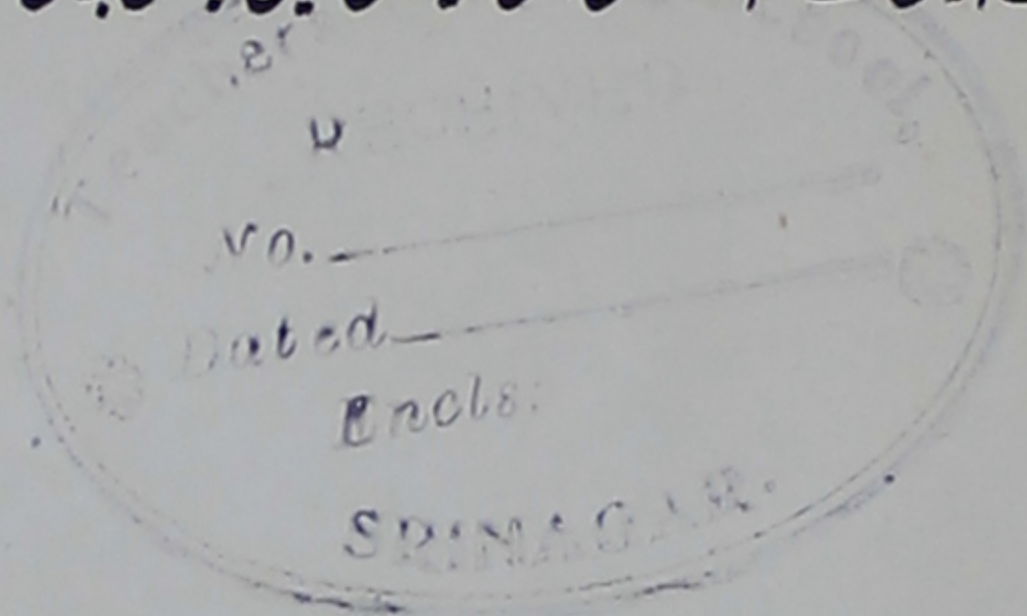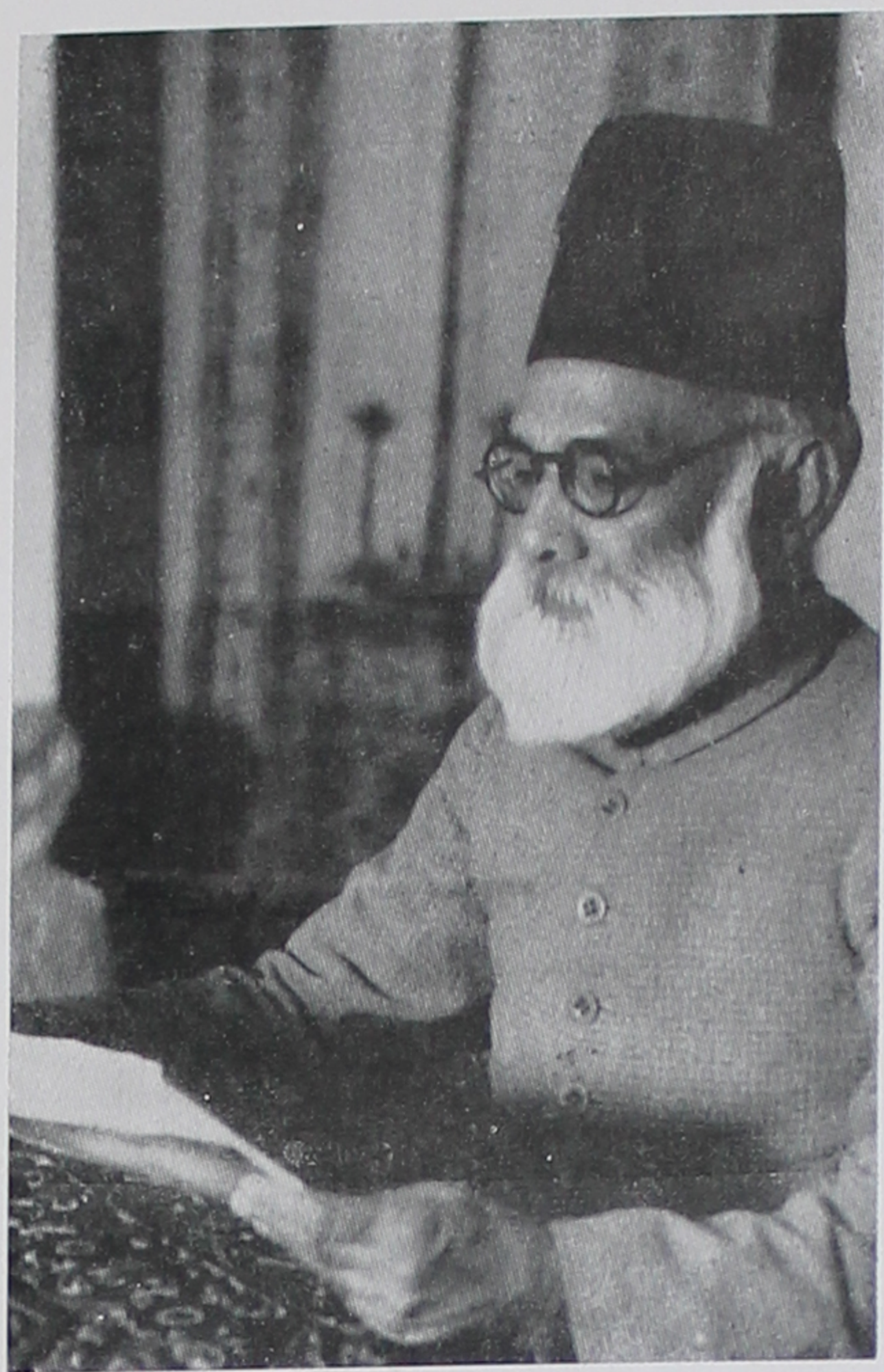
ڈاکٹر مولوی عبدالحق

۱۲ر فروری ۱۹۳۹ء

ہندُستانی کا لفظ آج کل بِھڑوں کا چھتّا بنا ہوا ہے۔ اب آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن نے اس چھتّے کو چھیڑا ہے تو اسے ڈنک سہنے کے لئے بھی تیار رہنا چاہیے۔

زبان کے معنوں میں ہندُستانی کا لفظ ہمارے کسی مستند شاعر یا ادیب یا اہلِ زبان نے کبھی استعمال نہیں کیا۔ یہ یورپ والوں کی اُپج ہے۔ یورپ کے سیاحوں نے جو سترھویں صدی سے اس ملک میں آنے شروع ہوئے۔ اُس زبان کو جو شمالی ہند میں عام طور سے بولی جاتی تھی۔ اِندستان، اِندستانی اور بعد ازاں ہندُستانی کے نام سے موسوم کیا۔ لیکن اس لفظ کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانے میں اُس وقت فروغ ہوا جب سنہ ۱۸۰۰ء میں کلکتے میں فورٹ ولیم کالج قایم ہوا۔

عجیب بات یہ ہے کہ کالج کے انگریز استاد تو اُس زبان کو جس میں میر امّن کی "باغ و بہار" شیر علی افسوس کی "آرائش محفل" حیدری کا "طوطی نامہ" طپش کی "بہار دانش" وغیرہ لکھی گئیں ہندُستانی کہتے ہیں لیکن ان کتابوں کے لکھنے والے اپنی کتابوں کی زبان کو اردوئے معلیٰ، ریختہ یا ہندی کہتے ہیں مثلاً میر امّن نے اپنی کتاب "باغ و بہار" یا "قصہ چہار درویش" کو ایک عرضی کے ساتھ پیش کیا، جس میں وہ لکھتے ہیں کہ "اردوئے معلیٰ کی زبان میں باغ و بہار بنایا" اسی عرضی کے آخر میں یہ شعر ہے۔

سو اردو کی آراستہ کر زباں

کیا میں نے بنگا لا ہندوستاں

اسی کتاب کے دیباچے میں زبان کی تاریخ بیان کرتے وقت لکھتے ہیں "حقیقت اردو زبان کی بزرگوں کے منہ سے یوں سُنی"۔

میر شیر علی افسوس آرائش محفل میں لکھتے ہیں کہ "اس کے تمام مطالب کو اردو زبان میں لکھنا شروع کیا" مرزا طپش "شمس البیان" میں اپنی زبان کو روزمرۂ فصحائے اردوئے معلیٰ کہتے ہیں اور اپنی بہار دانش ہندی میں اس زبان کو ایک ہی شعر کے ایک مصرع میں تو ہندی زبان اور دوسرے میں اردو لکھا ہے۔

شرف اس نے ہندی زباں کو دیا

دیا نظم اردو کو یہ مرتبا

اور چند اشعار کے بعد اسے ریختہ کہتے ہیں

دقایق میں ہے ریختے کے تمام

حیدر بخش حیدری "قصہ حاتم طائی" کی زبان کو زبان ریختہ کہتا ہے۔ میر امن "گنج خوبی" میں گلگرسٹ کو "اردو کا قدرداں" لکھتا ہے۔ مہر چند کھتری لاہوری اپنی کتاب "نو آئین ہندی" میں لکھتا ہے کہ اس نے قصۂ آذر شاہ" اور "سمن رخ" کو فارسی سے ہندی میں ترجمہ کیا۔ ڈاکٹر جان گلگرسٹ اپنی تصانیف میں ہندستانی اور اردو دونوں لفظ اسی ایک زبان کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ گارسان دتاسی کا بھی یہی حال ہے لیکن وہ زیادہ تر ہندستانی کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ بابو شیو پرشاد نے بھی "جام جہاں نما" کی زبان کو اردو بتایا ہے۔ کلکتہ بپٹسٹ مشن نے جو انجیل مقدس کا ترجمہ چھاپا تھا اس کے سرورق پر لکھا ہے "یونانی زبان سے اردو زبان میں ترجمہ کیا گیا" لیکن اس کے نیچے انگریزی زبان میں In the Hindustani language لکھا ہے۔ بابو کاشی ناتھ بسواس کرانی اپنی کتاب "قصۂ سوسن مسمی بہ گلدستۂ انجمن" کے سرورق پر لکھتے ہیں "انگریزی زبان سے اردو میں ترجمہ کیا" ڈاکٹر ای جے لارنس "رابن سن کروسو" کے ترجمے اور مسٹر جمیس کورکورن اپنی "تاریخ چین" اور ڈاکٹر فریڈرک جان اپنی اصول تشریح کی زبان کو اردو ہی کہتے ہیں اسی طرح دہلی کالج، علی گڑھ سائنٹفک سوسائٹی، مرزا پور سیریز کی جتنی کتابیں چھپیں اُن سب پر اردو ہی کا لفظ لکھا ہے۔

غرض وہ تمام کتابیں جن کے نام میں نے لئے ہیں اُسی زبان میں ہیں جسے ہم آجکل اردو کہتے ہیں۔ انگریز اسے ہندستانی کہتے تھے ہندستانی سے ان کی مراد وہ صاف اور فصیح زبان تھی جو بول چال میں

آتی تھی۔ یعنی ایسی زبان جو مقفیٰ، مسجع اور پر تکلف نہ ہو جس کا رواج اس زمانے کی بعض کتابوں میں پایا جاتا تھا۔ اردو، ریختہ، ہندی اُس زمانے میں ہم معنی لفظ تھے۔ چنانچہ مرزا جان طپش نے اپنی کتاب "شمس البیان" میں ہندی کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے "ہندی عبارت از زبان موزون دہلی است"، یعنی ہندی سے مراد دلّی کی فصیح زبان ہے۔ جدید ہندی جس کی اشاعت کی آج کل کوشش کی جارہی ہے نئے زمانے کی پیداوار ہے۔ اس نے فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں جنم لیا۔ دراصل یہ اردو کا بچہ ہے وہ اس طرح کہ عربی فارسی کے لفظ نکال کر ان کی جگہ سنسکرت لفظ بٹھا دئے تھے۔ مختصر یہ کہ ہمارا ادب 'ہندُستانی' کے لفظ سے خالی ہے۔ اردو کے کسی مستند اہل زبان اور غالباً ہندی کے اہل زبان نے بھی اس لفظ کو زبان کے معنوں میں کبھی استعمال نہیں کیا۔

جب اس زمانے میں ہندی اردو کے جھگڑے نے زور پکڑا اور دونوں فریق ایک دوسرے کی مخالفت پر تلے ہوئے تھے تو انڈین نیشنل کانگریس نے رفعِ شر کے خیال سے ہندُستانی کا لفظ اختیار کیا اور اسی کو ہندُستان کی عام زبان قرار دیا لیکن کانگریس نے اس کی کوئی تعریف نہیں کی اور نہ یہ بتایا کہ اس سے کیا مطلب ہے۔ وہ شاید اس جھگڑے میں پڑنا نہیں چاہتی تھی۔ اور یہ اچھا ہی ہوا۔ کیوں کہ آج کل سیاسی لوگوں نے جہاں اور چیزوں کو سیاست میں سان لیا ہے، غریب زبان بھی ان کی نظر کرم فرما کا شکار بن گئی ہے۔

اب سوچ بچار کے بعد ہندُستانی کے یہ معنی قرار پائے ہیں کہ

وہ زبان جو شمالی ہند میں عام طور پر بولی جاتی ہے اور جو ثقیل اور نامانوس سنسکرت اور عربی فارسی الفاظ سے پاک ہے۔ اصل میں ہندستانی کی یہ تعریف ڈاکٹر گریسن کے بیان سے لی گئی ہے اور اس تعریف کو اکثر اُن لوگوں نے قبول کر لیا ہے جو ہندستانی کے حامی ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ حقیقت میں یہ کوئی زبان ہے بھی؟ اگر اس سے مراد وہ زبان ہے جسے اٹھارویں اور انیسویں صدی کے انگریز ہندستانی کہتے تھے اور ہمارے اُس وقت کے ادیب ریختہ، ہندی اور اردو سے موسوم کرتے تھے تو بے شک یہ ایک زبان ہے اور اب بھی ہندستان میں بولی اور لکھی پڑھی جاتی ہے۔ اور اگر اس سے مراد وہ زبان ہے جو آج کل بعض جدّت پسند حضرات نے گھڑنی اور ڈھالنی شروع کی ہے۔ تو وہ ہمارے ملک کی زبان نہیں ہے۔ اور اگر اس سے مراد وہ زبان لی جائے جو دونوں ہندی اردو بولنے والوں میں مقبول ہو تو وہ ابھی وجود میں نہیں آئی۔ بول چال کی زبان کی حد تک تو ٹھیک ہے۔ لیکن جہاں ادب کی سرحد آتی ہے تو وہ رہ جاتی ہے۔ گاندھی جی نے ہندی ہندستانی کا لفظ ایجاد کیا تھا چونکہ بے جوڑ تھا، مقبول نہ ہوا۔

نتیجہ یہ کہ آسان اردو کا نام ہندستانی ہوا۔ آپ فرمائیں گے کہ آسان ہندی کو ہندستانی کیوں نہ کہیں؟ ضرور کہئے، کیونکہ جیسا کہ میں ابھی کہہ چکا ہوں، جدید ہندی اردو ہی کا تو بچہ ہے۔ رہی یہ بات کہ زبان سادہ اور آسان ہو، تو بول چال میں تو عموماً سادہ ہی ہوتی ہے۔ یا جب بچوں یا معمولی پڑھے لکھوں کے لئے کوئی کتاب یا قصے کہانیاں لکھی جاتی ہیں

تو بھی زبان سادہ رکھنی پڑتی ہے۔ یہ کچھ ہماری عادت ہی پر موقوف نہیں دنیا کی سب زبانوں کا یہی حال ہے۔ مگر جب کوئی اچھی نظم لکھنی ہوتی ہے یا علمی یا ادبی بحث آپڑتی ہے تو سادہ زبان کا نبھانا مشکل ہو جاتا ہے محض زبان کا آسان ہونا کافی نہیں۔ اس میں جان، اثر اور لطف بھی ہونا چاہیئے۔ اور یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں، ایسی زبان صرف کامل ادیب ہی لکھ سکتے ہیں ورنہ ایسی تحریر سے کیا فائدہ جو سپاٹ، بے مزہ اور بھدی ہو۔ دوسرے ہر ایک کا طرزِ تحریر الگ ہوتا ہے۔ کسی کا کوئی رنگ ہے اور کسی کا کوئی ڈھنگ۔ یہ ہر ایک کے مزاج اور افتادِ طبیعت پر منحصر ہے۔ ہم کسی کو مجبور نہیں کر سکتے کہ یوں نہیں یوں لکھو، اگر مجبور کریں بھی تو ممکن نہیں، وہ نیا ڈھنگ تو کیا اختیار کرے گا اپنا بھی بھول جائے گا۔ میرے کہنے کا منشا یہ ہے کہ یہ جو آج کل چاروں طرف "آسان آسان" کا پرچار کیا جارہا ہے مجھے تو یہ کچھ بے جا سا معلوم ہوتا ہے۔ لفظ کوئی بے جان چیز تو ہے نہیں، جہاں چاہا اٹھایا رکھدیا۔ اس کے گنوں کے پرکھنے والے مشاق ادیب ہی ہو سکتے ہیں۔ کسی اعلیٰ درجے کے ادیب یا شاعر کا کلام اٹھا کر دیکھئے ہر لفظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک نگینہ ہے جو اپنی جگہ جڑا ہوا ہے۔ اسے بدل کر کوئی دوسرا لفظ رکھ دیجئے ساری لطافت اور نزاکت خاک میں مل جائے گی علاوہ اس کے آسان اور مشکل اضافی لفظ ہیں۔ یعنی ایک چیز جو مجھے مشکل معلوم ہوتی ہے، دوسرا اُسے آسان سمجھتا ہے۔ جسے میں آسان سمجھتا ہوں وہ دوسرے کے نزدیک مشکل ہے۔ اس سے آسان اور مشکل کی کوئی حد مقرر نہیں ہو سکتی۔ یہ ذوق کی بات ہے۔ اور ادب میں یہی منزل بڑی

کٹھن ہے ۔ وہاں آسان اور مشکل کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا ۔ وہاں تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ لفظ موقع اور محل کے مناسب ہے یا نہیں ۔ اگر آسان لفظ بھی بے محل آگیا تو ایسا ہی بُرا ہے جیسا بے موقع مشکل لفظ ، البتہ یہ ضرور ہے کہ بیان پیچیدہ اور الجھا ہوا نہ ہو ۔ سادگی اور آسانی کے بھی ایک معنی ہو سکتے ہیں ۔

گاندھی جی ، بابو راجندر پرشاد اور ان کے ساتھیوں نے اس بات کا اعلان کیا ہے کہ ہندی یا ہندستانی میں سنسکرت لفظ ملانے کی اس لئے ضرورت ہے کہ اُسے بنگال اور جنوبی ہند کے لوگ سمجھ سکیں ۔ ان کا کہنا یہ بھی ہے کہ جب بنگال اور جنوبی ہند میں جائیں تو ایسی ہی سنسکرت ملی زبان میں بات چیت یا تقریر کریں اور جب صوبہ سرحد اور پنجاب میں جائیں تو فارسی عربی ملی زبان میں تو ایسی صورت میں ہندستان کی ایک مشترکہ زبان کہاں رہی جس کے لئے یہ سب جتن کئے جا رہے ہیں ۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ اس سنسکرت ملی زبان ہی کی وجہ سے جنوبی ہند والے ہندی یا ہندستانی کی سخت مخالفت کر رہے ہیں ۔ ان کو یہ بدگمانی ہے کہ ہندی کے حیلے سے سنسکرت زبان پھیلانے کی کوشش کی جا رہی ہے ۔ اور ہم ان کی زبان اور کلچر کو مٹانا چاہتے ہیں ۔

ہماری زبان اگر زندہ زبان ہے تو اس میں نئے نئے الفاظ آتے ہی رہیں گے ، خواہ وہ کسی زبان کے ہوں اس سے کوئی زندہ زبان نہیں بچ سکتی لیکن اس کے یہ معنے نہیں کہ جو لفظ مدت سے رائج چلے آ رہے ہیں انھیں خارج کر دیں اور ان کی جگہ ڈکشنریوں میں سے

ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسے بے ڈول، بے ڈھنگے اور کرخت لفظ داخل کر دیں جن کے ادا کرنے میں زبان کئی کئی قلابازیاں کھائے اور کانوں کے پردے پھٹنے لگیں۔ جو لفظ پہلے سے رائج ہیں اور ہماری زبان میں گھل مل گئے ہیں، خواہ کسی زبان کے ہوں وہ اب ہمارے ہیں، غیر نہیں۔ انھیں غیر سمجھ کر نکالنا سراسر حماقت ہے۔ جو ایسا کرتے ہیں وہ اپنی زبان کے دوست نہیں، دشمن ہیں۔

نئے لفظوں کے داخلے میں بھی زبان کی فطرت اور ذوق کو بڑا دخل ہے اندھادھند اور زبردستی لفظ داخل نہیں کیے جا سکتے۔ جو بندھ گیا سو موتی جو کھپ گیا وہ ہمارا اور جو نہیں کھپا وہ سو غیروں کا غیر۔

بہار گورنمنٹ نے ایک ہندستانی کمیٹی بنائی ہے اور ہندستانی زبان کی گرامر، لغت اور مدرسوں کے لیے ریڈریں لکھوانی تجویز کی ہیں۔ ابتدائی جماعتوں کے لیے ریڈریں اس زبان میں لکھنا تو کچھ مشکل نہ ہوگا لیکن اونچے درجوں کے لیے جہاں زبان کی ادبی شان بھی رکھنا ضروری ہوتی ہے کتابیں لکھنے میں مشکل پڑے گی۔ اس سے زیادہ مشکل اصطلاحات کے بنانے میں ہوگی۔ اس کا انتظار کرنا چاہیے۔ اگر اس نے بیچ کا کوئی ایسا رستہ نکال لیا جو مقبول ہو سکے تو یہ اس کی بڑی جیت ہوگی۔ کم سے کم آپس کی بات چیت اور کاروبار کے لیے بہت کارآمد ہوگی۔

اس کے بعد اگر کوئی مجھ سے پوچھے گا کہ ہندستانی زبان کسے کہتے ہیں تو میں اس کے جواب میں یہ کہوں گا کہ جس زبان میں میں نے آج تقریر کی ہے یہی ہندستانی ہے۔

ہماری تنقید کے لئے دو جملے دئے گئے ہیں ایک جملہ یہ ہے۔

"فیڈرل لیجس لیچر کے لئے فہرست رائے دہندگان تیار کرنے کے سلسلے میں جو ابتدائی کارروائی کی جائے گی، اس کے بارے میں سٹرن ان سرکار لامبر نے آج اسمبلی میں روشنی ڈالی" اس جملے میں اگرچہ فیڈرل لیجس لیچر، لامبر اور اسمبلی کے لئے انگریزی لفظ استعمال کئے گئے ہیں، لیکن جملے کا مطلب صاف سمجھ میں آتا ہے۔ روشنی ڈالنا انگریزی محاورہ کا ترجمہ ہے۔ لیکن اب "روشنی ڈالنا" اور "روشنی پڑنا" اردو میں استعمال ہونے لگے ہیں اور ان کا مفہوم کسی دوسرے لفظ سے اس خوبی سے ادا نہیں ہوتا۔ جس طرح پہلے فارسی محاوروں کے ترجمے ہماری زبان میں داخل ہو گئے تھے اب بعض انگریزی محاوروں کے ترجمے داخل ہو رہے ہیں۔ یہ کوئی عیب کی بات نہیں بشرطیکہ زبان میں کھپ جائیں۔ اس سے زبان میں وسعت ہوتی ہے۔

دوسرا جملہ یہ ہے۔

"سینکت پرانتیہ ویوستھا پکا پریشد میں ایک پرشن کا اُتّر دیتے ہوئے نیائے منتری ڈاکٹر کاٹجو نے اُن اُدیوگ دھندوں کی سوچی دی جن کی اُنتی کے لئے سرکار نے سہاینا دینا سویکار کیا ہے"

اس جملے میں سنسکرت لفظوں کی بھرمار ہے اور مطلب سمجھ میں نہیں آتا یہ ہماری زبان نہیں۔ یہ سراسر بناوٹی زبان ہے۔

بابو راجندر پرشاد

۲۲ر فروری ۱۹۳۹ء

ہندستانی اس بولی کو کہتے ہیں جس کو اُتر ہندستان کے سب ہی
رہنے والے چاہے وہ ہندو ہیں یا مسلمان سمجھتے ہیں۔ یہ ناگری اور فارسی
دونوں اکچھروں میں لکھی جاتی ہے۔ کانگریس نے اسی کو سارے ہندستان
کے لئے قومی زبان یا راشٹر بھاشا مان لیا ہے اور جہاں کے لوگ
اسے سمجھ نہیں سکتے ہیں وہاں اس کو پھیلانے کی کوشش کی جا رہی ہے
اس لئے اس کی عزت اور بھی بڑھ گئی ہے۔ اور اس کی شکل کیا ہونی چاہیے؟
اس پر بھی بہت چرچا ہونے لگا ہے۔ ہندستانی کے دو روپ کہے جا سکتے
ہیں۔ ایک جس کا نام ہندی ہے، اس میں ہندی کے شبد بہت آتے ہیں،
دوسرا اردو جس میں اسی طرح فارسی اور عربی کے لفظ بہت آتے ہیں۔

ویاکرن ایک ہونے پر بھی دونوں کے لکھنے میں فرق پڑگیا ہے اور وہ بڑھتا جارہا ہے ۔ جو سنسکرت کے شبد آتے ہیں ان کا کہیں کہیں ہندی کے ویاکرن کے مطابق دیوہار نہیں کرکے سنسکرت ویاکرن کے بھی مطابق دیوہار کیا جاتا ہے ۔ اسی طرح فارسی اور عربی کے لفظوں کو عربی اور فارسی کا جامہ کہیں کہیں پہنایا جاتا ہے ۔ کچھ کٹر لکھنے والے یا بولنے والے اگر وہ ہندی کے پریمی ہیں تو فارسی اور عربی کے لفظوں کو اور اگر وہ اردو کے حامی ہیں تو سنسکرت کے شبدوں کو چُن چُن کر اپنے لیکھوں سے نکال دیتے ہیں اور سنسکرت، فارسی یا عربی کے لفظوں کا ہی استعمال کرتے ہیں ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہندی اور اردو ایک دوسرے سے الگ بھاگتی جارہی ہیں ۔ ہندستانی بیچ کا راستہ لیتی ہے ۔ وہ نہ تو سنسکرت کے شبدوں کا وہشکار کرتی ہے اور نہ فارسی عربی کے لفظوں کو خارج کرتی ہے ، اس کا اپنا ویاکرن ہے جس کو وہ ہمیشہ کام میں لاتی ہے اور سنسکرت یا فارسی عربی کے قاعدے سے کام نہیں لیتی ہے ۔ اگر ان کے کسی شبد کو لیتی ہے تو اس کو اپنا جامہ پہناتی ہے اور اپنے میں ملا لیتی ہے ۔

انگریزی جملے کا ہندی یا اردو ترجمہ دو اخباروں سے دے کر میں بتانا چاہتا ہوں کہ ان میں اور ہندستانی میں کیا فرق ہے اور کون سب کے لئے سہل ہو سکتی ہے ۔

The priliminary step to be taken in connection with the preparation of electoral rolls for the Federal Legislative

were indicated by Sir Nripendra Nath Sirkar, the Law Member in the Central Assembly to-day.

فیڈرل لیجس لیچر کے لئے فہرست رائے دہندگان تیار
کرنے کے سلسلے میں جو ابتدائی کارروائی کی جائے گی
اس کے بارے میں سر "اِن' اِن' سرکار لا ممبر نے آج
اسمبلی میں روشنی ڈالی۔

اس میں "فہرست رائے دہندگان" ہندُستانی قاعدہ نہیں بلکہ فارسی قاعدے کی اضافت کا نمونہ ہے، پھر "رائے دہندگان" بھی فارسی قاعدے کے مطابق ہے، "رائے دہندہ" کا جمع یا بہووچن بنایا گیا ہے، ہندُستانی قاعدے کے مطابق نہیں۔ میری سمجھ میں اس کی صحیح ہندُستانی شکل یہ ہونی چاہیئے۔

"فیڈرل لیجس لیچر کے لئے رائے دینے والوں کی
فہرست تیار کرنے میں جو شروع میں کارروائی کی جائے گی
اُس کو لا ممبر سر "اِن" اِن' سرکار نے آج اسمبلی میں کچھ
بتلایا۔"

Replying to a question in the United Provinces Legislative Assembly to-day, Dr. Katju, Minister for Justice, gave a list of grants-in-aid which the Government had sanctioned for the purpose of improvements in new fields of manufacture.

"سنیوکت پرانتیہ ویو ستھاپکا پریشد نے ایک
پرشن کا اُتّر دیتے ہوئے نیائے منتری ڈاکٹر کٹجو
نے اُن اُدّیوگ دھندوں کی سوُچی دی جن کی اُنّتی
کے لئے سرکار نے سہایتا دینا سویکار کیا ہے"

اس میں جہاں تک میں سمجھتا ہوں ویاکرن تو ہندستانی ہی کا استعمال ہوا ہے مگر جو شبد آئے ہیں وہ سنسکرت کے ہیں اور ایسا معلوم پڑتا ہے کہ جیسے فارسی عربی کے لفظ جان بوجھ کر نکالے گئے ہیں۔ "پرشن" اور "اُتر" "سوُچی" اور "سہایتا" سنسکرت کے شبد ہیں۔ فارسی اور عربی سے لئے گئے سوال جواب' فہرست اور مدد کچھ کم چالو نہیں ہیں۔ اُدیوگ دھندوں کے بدلے میں صرف دھندا کافی ہو سکتا ہے۔ ہندُستانی میں کسی شبد کا بہشکار نہیں ہے، چاہے وہ کسی بھی بھاشا کا ہو لے لیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جیسا اوپر دکھلایا گیا ہے انگریزی کے لفظ لئے گئے ہیں۔ پہلی مثال میں فیڈرل لیجس لیچر جوں کا توں رکھا گیا ہے' دوسری میں لیجس لیٹو اسمبلی کا انتھا دیوا استھاپکا پرشد سے کیا گیا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس جھگڑے کا نپٹارا ایک طرح سے ہو سکتا ہے کہ جتنے عربی فارسی کے لفظوں کو ہندی کے اچھے لکھنے والوں نے استعمال کیا ہے اور جتنے سنسکرت کے شبدوں کو اچھے اردو لکھنے والوں نے دیوہار کیا ہے ان کو ہندُستانی میں لے لینا چاہیئے اور اُن کے علاوہ بھی نئے لفظوں کا بہشکار اس لئے ہی نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ کسی خاص زبان سے لئے گئے ہیں بلکہ اس میں یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ کہاں تک جلد

لوگوں میں چل گئے ہیں یا چل جائیں گے ۔ اگر وہ آسانی سے لوگوں کی سمجھ میں آ جاتے ہیں تو اُن کو نکالنا ہندُستانی کو کمزور بنانا ہوگا ۔ آج کل بہت سے نئے لفظ گھڑنے ہوں گے کیونکہ نئے وچار پھیل رہے ہیں ، نئے معنے سامنے آ رہے ہیں جن کے لئے ہندی اور اردو میں بھی لفظ نہیں ہیں ۔ ان کے لئے لفظ سنسکرت یا عربی فارسی سے ہی بنائے جا سکتے ہیں ۔ اس میں یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ آسانی سے بولے اور سمجھے جا سکتے ہیں یا نہیں ۔ ہو سکتا ہے کہیں کہیں انگریزی کے شبد ہم کو رکھ لینا پڑے اس سے ہماری ہندستانی کمزور نہیں ہوگی مگر ہم کو اپنے دیاکرن کو نہیں چھوڑنا چاہیئے "سٹیشن" شبد لینا ہی ہے تو اس کا بہو وچن "سٹیشنز" نہیں کرنا چاہیئے بلکہ "سٹیشنوں" یا سٹیشنیں ہی ہونا چاہیئے ۔ "رائے دہندگان" سے "رائے دینے والے" کہیں اچھا ہے اور رائے دہندگان تو کسی حالت میں نہیں ماننا چاہیئے اگر رائے دہندہ لیا بھی جائے تو اس کا بہو وچن (جمع) رائے دہندوں سے ہونا چاہیئے ۔

اس لئے میری رائے میں اپنے دیاکرن کو اچھوتا اور شدھ کرنا چاہیئے ۔ لفظوں کو کسی بھی بھاشا سے وہ کیوں نہ آئے ہوں اگر چل گئے ہوں اور چل جانے کے لائق ہوں ، آسانی سے سمجھ میں آ جاتے ہوں تو لینے میں جھجک نہیں ہونی چاہیئے ۔ ایسا کرنے سے ہی ایک معنی والے کئی لفظ ہندُستانی میں آویں گے اور جب لفظوں کا خزانہ بڑھے گا تو ان کے معنی میں بھی فرق پڑے گا اور باریکی آوے گی ۔ اس لئے لفظوں کے نکالنے کی کوشش ٹھیک نہیں جچتی ہے ۔

اونچے درجے کے ساہتیہ (ادب) کے لیئے جو بھاشا ہوتی ہے وہ معمولی بول چال کی بھاشا سے کچھ الگ ہو ہی جاتی ہے، اس لیئے ہندی اور اردو کا ساہتیہ ویاکرن ایک ہونے پر بھی الگ ہوا ہے اور ہوتا جاتا ہے، جس نے سنسکرت پڑھی ہے یا سنسکرت بھری ہندی پڑھی ہے وہ اسی طرح کی ہندی زیادہ لکھے گا جس میں سنسکرت زیادہ ہو۔ جس نے فارسی عربی زیادہ پڑھی ہے اس کی بھاشا میں فارسی عربی کے لفظ زیادہ آویں گے۔ یہ تو سوابھاوک یا قدرتی بات ہے۔ اس لیئے اس بہاؤ کو روکنا مشکل ہے۔ تو بھی ہندستانی جو سب لوگوں کی زبان بننے کا دعویٰ کرتی ہے اپنے کو ایسے روپ میں ہی رکھنے کی کوشش کرے گی جس میں اس کو سب ہی جان اور پہچان سکیں اور اگر چاہیں تو اس کی کچھ سیوا اور خدمت کر سکیں۔

ہندستانی کو ہم کوئی نئی بھاشا یا نئی زبان نہیں جانتے ہیں اور نہ یہ جانتے ہیں کہ ہندی یا اردو سے کوئی الگ چیز ہے۔ بھاشا کی پہچان جیسا میں نے پہلے کہا ہے اس کے ویاکرن (قاعدے) سے ہوتی ہے، ہندی، اردو اور ہندستانی کا ویاکرن (قاعدہ) کیا ہے۔ اس بارے میں اگر ہندی اور اردو میں کوئی فرق ہے تو وہ کوئی مہتو (اہمیت) نہیں رکھتا۔ فرق ہے شبدوں کا اور اگر جو شبد دونوں میں استعمال ہوتا ہے اور دونو کو ایک دوسرے سے الگ بناتے ہیں، دونوں میں برابر سمان روپ سے استعمال ہونے لگ جائیں تو شبدوں کا خزانہ بھی بہت بڑا ہو جائے اور اُن کے معنی میں باریکی بھی بہت آجائے۔ ہندستانی جو بیچ کا راستہ لیتی ہے یہی کوشش کرتی ہے کہ ایسے لفظ آتے جائیں جو لوگوں میں سہل میں پھیلائے جا سکیں

میں تو یہ بھی جانتا ہوں کہ گاؤں کے لوگوں کی بولیوں میں بھی بہت اچھے معنی دار لفظ ہیں جن کا ارتھ ادا کرنے والا ہندی اور اردو کا کوئی لفظ جلد نہیں ملتا۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو گاؤں میں ہی استعمال میں آتی ہیں اور اُن کے نام بھی دیہاتی بولی میں ہیں۔ ہم اکثر ایسا دیکھتے ہیں کہ پڑھے لکھے لوگ ایسے لفظوں کا استعمال کرنا دیہاتی پن جانتے ہیں اور اُن کے بدلے میں بھدے سنسکرت یا فارسی عربی کے لفظ ڈھونڈھ نکالتے ہیں جو صرف ترجمہ ہوتے ہیں، معنی رکھنے والے لفظ نہیں ہوتے۔ ہم کو یہ بھی چھوڑنا ہوگا اور ہندستانی یا ہندی یا اردو کو ایسے دیہاتی گنوارو لفظوں کو بھی اپنے میں شامل کرنا ہوگا۔ اگر ہندستانی کو چند لکھے پڑھے لوگوں کی ہی زبان نہیں رہنا ہے، اگر اُس کو گاؤں کے ان پڑھوں تک پہنچنا ہے، اگر وہ کیول محلوں کی زبان نہ رہ کر جھونپڑوں تک بھی پہنچنا چاہتی ہے تو اس کو سنسکرت، عربی اور فارسی کے ہاتھوں پر سے اتر کر گھروں کی بولی کے پیروں پر پاؤں پیادے چلنا ہوگا۔

میں نے پہلے کہا ہے کہ ہندستانی سارے ہندستان کی قومی زبان یا راشٹر بھاشا مانی گئی ہے۔ ہندستان بہت بڑا دیش ہے، اس میں کئی صوبے ہیں اور اُن صوبوں کی الگ الگ بھاشائیں ہیں اور اُن میں کئی بھاشاؤں میں سنسکرت کے شبد معمولی بول چال کی ہندی یا ہندستانی کے مقابلے میں زیادہ آتے ہیں۔ بنگالی کو ہی لیجئے اس میں سنسکرت کے بہت لفظ ہیں اور بنگالی بنگال کے سب رہنے والے بولتے اور سمجھتے ہیں۔ اس میں بھی فارسی اور عربی کے شبد ہیں مگر کم۔ اگر وہاں ہم بہت فارسی اور عربی والی

ہندستانی بولیں گے تو لوگوں کو سمجھنے اور بولنے میں ادھک کٹھنائی ہوگی مگر اگر
ادھک سنسکرت والی بولی بولیں تو وہ آسانی سے لوگ سمجھ اور سیکھ سکیں گے
اسی طرح فرنٹیر میں ہم زیادہ عربی فارسی والی ہندستانی بولیں گے تو وہاں کے
لوگ اسے آسانی سے سیکھ اور سمجھ لیں گے مگر ادھک ملی بھاشا وہ نہیں سمجھ
اور سیکھ سکیں گے۔ اس لئے ہندستانی میں گذارا دو تو کا ہے اور ہونا ہی چاہیے
اس کے اچھے جاننے والے کو جسے اردو اور ہندی کہتے ہیں دونوں سے
پورا پریم رہنا چاہیے اور وہ جہاں جس طرح لوگوں میں باتیں کرنا چاہتا ہے یا
جیسے لوگوں کے لئے لکھنا چاہتا ہے ان کا خیال رکھ کر اپنی بھاشا میں ادھک
سنسکرت یا فارسی عربی کے شبدوں کا دیوہار کرنا چاہیے۔

اس کے لئے میری سمجھ میں ایک ایسا لغت یا کوش بننا چاہیے
جس میں ہندستانی میں چالو سنسکرت اور عربی فارسی کے لفظوں کے معنی دیے
ہوں۔ سکولوں اور کالجوں کے لئے قریب دو تین ہزار ایسے معمولی لفظ
دونوں سے لئے جائیں جو بہت چل گئے ہیں۔ اور جن کا جاننا بہت ضروری
ہوگیا ہے۔ مثال کے لئے دو لفظ لیجیے جو بہت پرچلت ہیں: کاریہ کارنی،
سمتت اور مجلس عاملہ دونو کے معنی ایک ہیں۔ ایک ہندی اور دوسرا
اردو کے اخباروں میں روزانہ آتا ہے۔ سب کے لئے دونو کا جاننا ضروری
ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ دنوں کے بعد دونوں کے معنوں میں کچھ باریک فرق
پڑ جائے۔ تب زبان زیادہ دھنی ہو جائے گی اور اس باریکی کو ظاہر کرنے
کے لئے اس کے پاس دو لفظ ہو جائیں گے۔ اسی طریقے سے ہم آج کے جھگڑے
کو کم کرسکتے ہیں اور راشٹر بھاشا کی بھی انتی کرسکتے ہیں۔

ہندستان ایک باغ ہے اس میں طرح طرح کے پھول پودے لگے
ہیں جب سب اپنی اپنی جگہ پر رہیں گے اور اپنے اپنے سمے پر پھولیں پھلیں گے
تو باغ کی خوبصورتی بڑھے گی۔ اگر ایک دوسرے کی خوراک چھیننے کی کوشش
کریں گے تو سوکھ جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ زیادہ پھل جائیں مگر باغ کی
وہ سندرتا نہیں رہے گی اور نہ ہم اس کو دیکھ کر خوش ہی ہو سکیں گے۔ اس لئے
اس زبان کے باغ کو ہرا بھرا کرنا طرح طرح کے نت نئے پھول پھل لانا اور
سارے باغ کو روز بروز زیادہ خوبصورت بنانا ہمارا دھرم ہے اور ہندستانی
یہی کرنا چاہتی ہے، آپ سب اس کی مدد کریں۔

ڈاکٹر ذاکر حسین خاں

۲۳ر فروری ۱۹۳۹ء

مولیئر کے ایک ڈرامے میں ایک صاحب ہیں موسیو ژوردیں۔ "نثر"
یہ نہ جانتے تھے کہ کسے کہتے ہیں۔ جب کسی نے بتایا کہ آپ جو بولتے ہیں یہی نثر
ہے تو انھیں بڑا ہی اچنبھا ہوا کہ چالیس برس سے بولتا ہوں اور یہ خبر نہیں کہ یہی
"نثر ہے۔ بار بار پوچھتے تھے کہ "یہی جو میں کہتا ہوں" ذرا میری جوتیاں ادھر
دے دینا" اور "ذرا میرے رات کے کپڑے اٹھا دینا" یہی نثر ہے، "نثر"!
مگر کیا کیجئے کہ یہی ہے "نثر"!

اسی طرح کچھ لوگ یہ نہیں جانتے کہ ہندستانی کیا ہے! اردو، ہندی،
ہندستانی کا جھگڑا کچھ اس ڈھنگ سے چل رہا ہے اور لوگ اس کے سلجھانے
میں وہ وہ الجھاؤ ڈال رہے ہیں کہ سیدھی سادی بات کھٹائی میں پڑ گئی ہے۔
ڈرتا ہوں کہ اس سوال کا سیدھا سادہ جواب دوں تو لوگ موسیو ژوردیں

کی طرح اچنبھے میں نہ پڑ جائیں۔ مگر کیجیے کیا کہ بات ہے ہی سیدھی سادی! ہندستانی بس وہ زبان ہے جس میں اس وقت آپ سے باتیں کر رہا ہوں اور جسے آپ سمجھ رہے ہیں۔ آپ کی اور میری طرح ہزاروں لاکھوں نہیں ہمارے دیس کے کروڑوں بسنے والے ہندو مسلمان اسے بولتے اور سمجھتے ہیں۔ شمالی ہندستان میں عام طور پر یہی بولی سمجھی جاتی ہے۔ پھر سارے ہندستان میں اس کے بولنے سمجھنے والے پھیلے ہوئے ہیں۔ بہت سے لوگ جو اسے بولتے نہیں تو سمجھتے ہیں۔ شہروں میں تو اس کا اور بھی چلن ہے۔ کسی بڑے شہر میں چلے جائیے اس کے بولنے والے اور اس سے زیادہ سمجھنے والے مل جائیں گے۔

میری یہ بات سن کر کہ ہندستانی وہ ہے جو میں آپ سے بول رہا ہوں، شاید کوئی صاحب بول اٹھیں کہ آپ جو بول رہے ہیں یہ تو اردو ہے۔ تو میں کہوں گا کہ آپ سچ فرماتے ہیں۔ ہندستانی اردو بھی ہوتی ہے۔ اچھی ہندستانی کی تو پہچان ہی یہی ہے کہ نہ اردو والا اس میں عیب نکال سکے، نہ ہندی والا اس پر کہیں انگلی دھر سکے۔ زبان کی پرکھ میں ہمارے مولوی عبدالحق صاحب کا مرتبہ سب ہی جانتے ہیں۔ انھوں نے انشاءاللہ خاں کی "رانی کیتکی" پر جو دیباچہ لکھا ہے اس میں باتوں باتوں میں ہندستانی کی کیا اچھی پہچان بتا دی ہے۔ فرماتے ہیں "اسے اردو والا بھی سمجھتا ہے اور ہندی والا بھی۔ زبان اور بیان دونوں صاف ہیں۔ اسی کا نام ہندستانی ہے۔"

"مگر رانی کیتکی کی کہانی میں تو انشاءاللہ خاں نے فارسی عربی کا ایک لفظ نہیں برتا ہے اور آپ تو اتنی سی دیر میں کوئی دس بیس لفظ عربی فارسی کے بول چکے"، ہم آمنے سامنے ہوتے تو آپ میں سے کوئی صاحب ضرور یہ فرما دیتے

اور ٹھیک فرماتے، ہاں. میں نے عربی فارسی کے لفظ بولے اور اس لئے
بولے کہ میں ہندستانی بول رہا ہوں اور ہندستانی میں عربی فارسی کے بہتیرے
لفظ ہیں، اس میں ترکی لفظ بھی ہیں، پرتگیزی لفظ بھی ہیں، انگریزی لفظ بھی ہیں
اور نہ جانے اور کس کس زبان کے لفظ اس میں ہوں گے ۔ جو پنڈت لفظوں کے
جنم پترے پڑھا کرتے ہیں وہ کھوج لگایا کریں کہ یہ لفظ کہاں کا ہے اور وہ
لفظ کہاں کا۔ میں تو اتنا جانتا ہوں کہ یہ میری زبان کے لفظ ہیں، جنھیں اُٹھتے
بیٹھتے بولتا ہوں اور جن سے بولتا ہوں وہ انھیں سمجھتے ہیں اور ایسے سمجھنے
والے دس بیس نہیں کروروں ہیں۔

لیکن وہ صاحب جو مجھ سے الجھ بیٹھے ہیں فرمائیں گے کہ صاحب
ہمیں یہ کھچڑی ذرا نہیں بھاتی۔ یہ بھلا کیا بات ہوئی کچھ یہاں کی کچھ وہاں کی نہ پورا تیتر نہ پورا بٹیر
زبان تو بس اپنی ہی ہونی چاہیے، سُدیشی اور شُدھ۔ جی ہاں، میرے سامنے اس وقت ایک
ایسی ہی سُدیشی اور شدھ عبارت ہے۔ ایک اخبار نے انگریزی کی ایک خبر کا
ترجمہ چھاپا ہے کہ "سنگیت پرانتیہ ویوستھاپکا پرشید میں ایک پرشن کا اُتر......
دیتے ہوئے نیائے منتری ڈاکٹر کاٹجو نے ان اُدیوگ دھندوں کی سوچی دی
جن کی اُنتی کے لئے سرکار نے سہایتا دینا سویکار کیا ہے"۔ یہ میری زبان کی
عبارت نہیں ہے اس لئے کہ میری سمجھ میں نہیں آئی، میں نے اسے انگریزی
کی مدد سے سمجھا۔ ہندستانی والا جو دل میں کسی لفظ سے دشمنی نہیں رکھتا

United Provinces Legislative Assembly

کے لئے جھٹ یوپی کی اسمبلی لکھ دیتا اور سب سمجھتے۔ شمالی ہندستان میں سوال
جواب، عدالت، وزیر، فہرست، مدد، منظور کون نہیں سمجھتا۔ پرشن

اور اُتر، نیائے منتری، سوچی، سہاتیا اور سویکار بھی کچھ لوگ ضرور سمجھتے ہوں گے مگر بہت سے نہیں بھی سمجھتے۔ ہندستانی والا وہ لفظ لکھتا جو سب سمجھتے کم سے کم یہ تو نہ ہوتا کہ وہ جان جان کر پردیسی لفظ نکالتا اور پھر بھی ایک سرکارؔ رہ ہی جاتا۔

اس کے جواب میں شاید میرے فرضی دوست مجھے ایک دوسرے اخبار سے یہ عبارت سنا دیتے: "فیڈرل لیجس لیچر کے لئے فہرست رائے دہندگان تیار کرنے کے سلسلے میں جو ابتدائی کارروائی کی جائے گی اس کے بارے میں سر این، این سرکار لا ممبر نے آج اسمبلی میں روشنی ڈالی" کہیئے یہ ہے ہندستانی ؟ میں کہتا کہ یہ میری ہندستانی ہے۔ لکھنے والے کا دل تو صاف ہے، یہ اشُدھ اور شُدھ کے چکر میں نہیں ہے مگر اسے لکھنا نہیں آتا اور وہ اپنے کام پر پورا دھیان نہیں دیتا۔ اس لئے پورا جملہ بے ڈھنگا ہے۔ "فہرست رائے دہندگان" ہندستانی نہیں۔ اسے ہونا چاہیئے تھا: "رائے دینے والوں کی فہرست"۔ بارے میں روشنی ڈالنا بھی ایک انگریزی محاورہ کا بہت ڈھیلا ترجمہ ہے۔ کسی چیز پر روشنی ڈالنا تو ہندستانی میں چل گیا ہے مگر "بارے میں روشنی ڈالنا" مجھے ٹھیک نہیں لگتا۔ نہ Indicate. کے لئے روشنی ڈالنا ضروری ہے۔ "بتایا" بس کرتا دونوں ترجموں میں یہ برائی بھی ہے کہ مکھی پر مکھی مارنے کی کوشش کی گئی ہر ترجمہ کرنے میں مطلب سمجھانا زیادہ ضروری ہے۔ یہ نہ ضروری ہے نہ ممکن کہ جملے کی بناوٹ وہی ہو جو انگریزی جملے کی ہے اور ہر لفظ کی جگہ ایک لفظ آجائے۔

خیر یہ بات تو بیچ میں آگئی۔ ہم کہہ یہ رہے تھے کہ زبان شُدھ شُدھی ہو اور

شُدھ، تو میں آپ کو سچ مچ بتاؤں کہ زبان کو شُدھ بنانے کی اس کوشش نے ہی ہندی اردو کا جھگڑا چھیڑا ہے۔ نہیں تو پہلے لوگ اردو ہندی کا فرق بھی نہ جانتے تھے۔ اردو کے اچھے اچھے لکھنے والوں نے اپنی زبان کو ہندی بتایا ہے۔ وہ تو جب سے اس ملی جلی زبان میں سے عربی، فارسی کے لفظوں کو نکال نکال کر سنسکرت لفظ لکھے جانے لگے تو دو الگ الگ زبانیں بننے لگیں۔ ہندی والے شدھ ہندی لکھنے لگے، اردو والے عربی، فارسی کے بے جوڑ لفظ بھی زبان میں لانے لگے۔ مگر اردو والے پورا پورا جواب دیتے تو کیسے دیتے۔ وہ دو دن کی لڑائی میں اپنا صدیوں کا کام کیسے مٹا دیں۔ انھوں نے اپنی زبان کے لئے ہندستانی ڈھانچا اپنایا ہے، ہندستانی گرامر پر چلتے ہیں، لفظوں کا دیس اور نسل اور مذہب دیکھ کر ان سے گھنیانا انھیں نہیں آتا۔ پھر بھی نہ جانے غصے میں یا کیوں ان کے کچھ لکھنے والے بھی جوڑ بے جوڑ عربی فارسی کے لفظ لکھ مارتے ہیں۔ اگر کتابوں کی زبان کو بول چال کی زبان سے نزدیک رکھا جائے تو وہ صاف اور سادہ بھی رہے، سمجھ میں آئے، اس میں زیادہ زندگی ہو، دل سے نکلے دل میں گھر کرے۔ نہ روز کے برتاوے کے لفظ اس سے نکالے جائیں، نہ ان مل بے جوڑ اس میں ٹھونسے جائیں۔ یہی ہندستانی ہے۔

لیکن زبان کو شُدھ کرنے کی یہ کوشش جس سے اردو ہندی کا جھگڑا نکلا آخر کیوں کی جا رہی ہے؟ اسے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے اور اس میں کوئی غلطی ہو تو وہ جتانی چاہیے۔ شاید یہ اس لئے ہو کر جب قوموں کو اپنے آپے کا دھیان ہو چلتا ہے تو وہ ہر ہر چیز میں چاہتی ہیں

کہ ان کی اپنی ہوا اور پرایا اس میں کچھ نہ رہے۔ کچھ پرائی چیزوں سے انھیں دُکھ پہنچا ہوتا ہے اس لیئے وہ ہر چیز سے جس پر پرائی ہونے کا ذرا بھی شبہ ہو سکے بے زار ہوتی ہیں۔ جلدی میں وہ یہ نہیں سوچتیں کہ کچھ پرائے اپنے ہو چکے اور کچھ پرائے ہی ہیں۔ کچھ پرائی چیزوں سے زندگی تنگ ہوتی ہے، کچھ پرائی چیزوں نے زندگی کو آگے بڑھایا ہے۔ باہر سے کچھ ہوائیں ایسی آتی ہیں جن سے زندگی کی کھیتی مرجھا جاتی ہے تو کچھ ایسی بھی آتی ہیں جن سے مرجھائی کھیتی لہلہانے لگتی ہے۔ دونوں کو ایک جاننا اور ان کے فرق کو نہ سمجھنا بڑی ہی بھول اور نادانی ہے۔ ہندستانی زبان میں جو لوگ پرائے لفظ ڈھونڈتے اور انھیں نکالنے کی فکر کرتے ہیں وہ اسی بھول میں پڑے ہوئے ہیں۔ جس ہوا سے ہمارے دیس میں رنگ رنگ کے پھول کھلے اور جن کی باس سے اس کی ہوائیں آج تک بسی ہوئی ہیں وہ اسے جھلستی لُو کا ایک جھونکا جانتے ہیں صاف صاف کیوں نہ کہوں، جو لوگ ہندستانی زبان سے عربی فارسی کے بول چُن چُن کر نکالنا چاہتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہندو مسلمانوں کے صدیوں کے میل جول سے جو چیزیں بنی ہیں وہ پاک نہیں، ان میں سے پردیسی میل کچیل نکال باہر کرنا چاہیے۔ شاید وہ جانتے نہیں کہ یہ میل کچیل ہماری زندگی کے رونگٹے رونگٹے میں بِھد گیا ہے۔ انھیں اردو ہی میں سے عربی لفظ نکالنے نہ ہونگے تلسی داس، سور داس اور کبیر داس کی زبان کو بھی شُدھ کرنا ہوگا۔ یہ ایسی ہی کوشش ہوگی جیسے کوئی سر پھرا گنگا جمنا کے سنگم پر کھڑا ہو کر انھیں ایک دوسرے سے الگ کرنا چاہے۔ اور یہ کوشش یہیں رُکے گی کیوں؟ پھر ہر چھوٹی چھوٹی ٹولی کا دیس بھی الگ ہوگا، زبان بھی الگ الگ ہوگی،

راجدھانی بھی الگ الگ ۔ ہماری تاریخ کے کولھو کا بیل جہاں سے چلا تھا پھر وہیں پہنچ جائے گا ۔ ہو سکتا ہے کہ کرنے والے یہ بھی کر ڈالیں ، دوسرے کو چڑھانے کے لئے کہیں کہیں اپنی ناک کاٹ لینے کا حال بھی سنا ہے اور دیوانگی میں تو لوگ آپ اپنے گلے پر چھری پھیر لیتے ہیں ۔ مگر جسے ہندستان کے بسنے والوں کی سمجھ پر ذرا بھی بھروسا ہوگا وہ یہ نہیں مان سکتا کہ ایک قوم کی قوم ایسی دیوانی ہو جائے گی ۔

پردیسی لفظوں کو نکالنے کی کوشش کے بعد ایک دوسری غلط بات جس سے ہندستانی کو نقصان پہنچ رہا ہے یہ ہے کہ کبھی کبھی یہ کوشش بھی کی جاتی ہے کہ جو لفظ دوسری زبانوں سے ہماری زبان میں آ تو گئے پر ذرا روپ بدل کر آئے ہیں ان کے معنی کچھ بدل گئے ہیں بولنے کا ڈھنگ بھی ذرا بدلا ہوا ہے ۔ انھیں اپنی پرانی حالت پر پہنچا دیا جائے ۔ وہی آنکھوں کو چہرے پر سے ہٹا کر گردن میں لگانے کی فکر ! یہ کوشش بھی کتابی اور قلمی لوگوں کی کوشش ہے جو بول چال کی زبان سے اور آدمیوں کی ریل پیل سے دور بیٹھے بیٹھے باتیں بگھارا کرتے ہیں ۔ یہ لوگ بھول جاتے ہیں کہ ہیرے جواہر کی طرح زبان کے بول بھی کٹتے چھلتے رہتے ہیں زبانوں پر رُل رُل کر ڈھلتے ہیں ، اُس سے ان کا بھدا پن دور ہوتا ہے ۔ سڈول پن آتا ہے ۔ صدیوں کے اس کام کو کسی عالم یا ودوان کی خاطر نہیں مٹایا جا سکتا ہماری زبان میں جو لفظ آ گئے سو آ گئے اور جس شکل میں بولے جاتے ہیں اسی شکل میں ہماری ہندستانی زبان کے لفظ ہیں اور ان کے معنی وہی ہیں جو ہم ہندستانی بولنے والے سمجھتے ہیں ۔ کبھی یا کہیں اور وہ کیسے بولے جاتے تھے

اور کس معنی میں برتے جاتے تھے اس سے ہمیں سروکار نہیں۔

اچھا یہ بات تو ہو گئی کہ جو لفظ اب ہماری زبان میں رچ بس گئے ہیں وہ چاہے کہیں کے ہوں سب اس ہندستانی برادری میں بھائی بھائی ہیں اور جس شکل میں ہیں اس میں ہمارے ہیں، تو سوچنے کی بات رہ جاتی ہے کہ یہ برادری اپنے سب کام آپ چلا بھی سکتی ہے یا اسے ابھی باہر سے اور مدد کی ضرورت ہے؟ کیا وہ لفظ جن کا چلن اس وقت ہماری ہندستانی زبان میں ہے بس بات چیت کرنے اور قصّے کہانیاں لکھنے کے آگے اور کام بھی دے سکتے ہیں؟ دنیا روز آگے بڑھ رہی ہے، نت نئی چیزیں بن رہی ہیں، نت نئی باتیں کہنی ہوتی ہیں، نئے نئے خیال پھیلتے ہیں۔ ان نئی چیزوں، نئے خیالوں کے لئے نئے لفظ چاہئیں۔ کیا ہم یہ ٹھان لیں کہ ہم جو لفظ برت رہے ہیں بس انہی سے کام چلائیں۔ انہی کو اپھیر کر نئی باتیں کہنے کی کوشش کریں، یا نئے لفظ گھڑیں یا اور کہیں سے ادھار لیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ زبان کو بند کر دینے کا حق کسی کو نہیں۔ نئی باتیں کہنی ہوں گی تو نئے لفظ چاہیے ہی ہوں گے مگر یہ لفظ کہاں سے آئیں؟ میرا کہنا یہ ہے کہ چاہے جہاں سے آئیں، پر بے تُک، ان مل بے جوڑ نہ ہوں۔ ایسے ہوں کہ کھپ جائیں۔ سب سے پہلے ہمیں اپنے گاؤں کی بولی میں ان لفظوں کو ڈھونڈنا چاہیے۔ گاؤں والے قدرت سے بھی بہت قریب ہیں اور کتاب والوں کی طرح قدرت اور زندگی کے دھارے سے الگ کنارے پر کھڑے باتیں نہیں بنایا کرتے۔ ان کے یہاں بہت کچھ ملے گا۔ پھر کسانوں اور کاریگروں کے کام کاج کے لفظ بڑی مدد دیں گے کتابی لوگ جن چیزوں کے لئے سنسکرت اور عربی کی

لغت دیکھتے پھرتے ہیں ان کے لئے یہاں ایسے نام مل جائیں گے جو نہ جانے کب سے برتے جا رہے ہیں۔ کل پرزوں کے لئے ایسے نام ملیں گے جو نئی چیز پر ٹھیک چپک جائیں۔ نئے لفظ ڈھونڈتے وقت اپنے اس خزانہ کو بھولنا نہ چاہیئے اس خزانے میں بھی نیا لفظ نہ ملے تو نئی چیز کے لئے نئے نام کو جوں کا توں لیا جا سکتا ہے۔ اپنی اصلی شکل میں اس کا بولنا اچھا نہ لگتا ہو تو اُسے تھوڑا بہت بدل بھی دینا چاہیئے Rail کو ریل کہیئے اور Lantern. کو لالٹین کہنے سے نہ گھبرائیے اور جب یہ پردیسی لفظ لے لیجئے تو اُسے اپنوں کا اپنا جانیئے۔ جو قاعدے اپنے لفظوں پر لگتے ہوں وہی اس پر لگائیے کہ پھر کوئی پہچان بھی نہ سکے کہ یہ پہلے سے ان کا ہے یا بعد کو آملا ہے۔ سائنس کی کتابوں کے لئے یورپی زبانوں سے بہت سے لفظ لینے چاہئیں۔ ہندی اردو والے مل کر ایک ہی لفظ چنیں تو اچھا ہو۔ ایسا نہ ہوا تو یہ نئی کتابیں بھی ایک کی دوسرے کے لئے بے کار ہوں گی۔ عربی اور سنسکرت سے بھی ابھی بہت سے لفظ اور لینے ہوں گے۔ مگر دونوں سے وہی لیا جائے جو ہماری زبان سے میل کھائے اور ہمارا کام نکالے، نہ سنسکرت سے اس لئے کچھ لیا جائے کہ اس سے ہماری زبان شُدھ ہوگی نہ عربی سے اس لئے کہ وہ زبان کو مقدس بنا دے گی۔ یہی پہلے دن سے ہماری زبان کا دستور رہا ہے۔ اسی پر چلنا چاہیئے۔ ہندستانی کا راستہ یہی ہے۔

اگر نئے لفظوں کے لینے میں اردو ہندی والے مل کر کام کریں، مدرسوں میں پڑھائی کی کتابیں ایک زبان میں لکھی جائیں، اخبار بول چال کی زبان سے دور نہ بھاگیں، شمالی ہندستان کے ریڈیو اسٹیشنوں سے وہی زبان بولی جائے

جو اس سارے علاقے کے لوگ بولتے سمجھتے ہیں، تھیٹر اور سینما میں بھی اسی زبان کا چلن ہو جس میں نہ موٹے موٹے عربی لفظ بھرے ہوں نہ بے ڈھنگے سنسکرت بول، تو ہندستانی کو دو الگ الگ ادبی زبانوں میں بانٹ دینے کی رَو رُک جائے۔ بول چال، کاروبار، اور کم سے کم مدرسوں میں پڑھائی کی زبان تو ایک رہے۔ آگے چل کر بہت مشکل علمی باتیں کہنے کے لئے چاہے دو الگ طرز رہیں اور شاعری میں بھی لوگ اپنی الگ لے الاپیں۔ مگر میں تو سمجھتا ہوں کہ زمانے کی رَو اس اونچے علمی اور ادبی کام اور شاعری کو بھی اس ملی جلی ہندستانی کی طرف لائے گی۔ زبان کا ادب اب بہت دن ایک چھوٹی سی ٹولی کا دھندا نہیں رہ سکتا۔ اس لئے کہ زبان کچھ ہو ایک سماجی چیز ہے۔ یہ آدمی سے آدمی کا رشتہ جوڑتی ہے۔ ایک دل کی بات دوسرے تک پہنچاتی ہے۔ اکیلے کی کوئی زبان نہیں ہوتی۔ جوں جوں لکھنے والوں کو اپنی بات سمجھانے کی ضرورت زیادہ پڑے گی، جیسے جیسے زیادہ لوگ ان کی باتوں کو سمجھنا چاہیں گے زبان کا ادب سہل اور صاف ہوتا جائے گا اور زندگی کے قریب آتا جائے گا۔ یہ کتابیں لکھنے والے بھی جو کبھی زندگی سے الگ رہ کر نہ جانے کس سے اپنی پہیلیاں بجھوانا چاہتے ہیں آخر آدمی ہیں کنوئیں کے مینڈک تو نہیں ہیں کہ اپنی ٹر آپ سُن لیں اور سو رہیں۔ یہ آدمیوں ہی سے کچھ کہنا چاہتے ہیں اور ان کا دل بھی اس کے لئے بے چین ہوتا ہے کہ آدمی انھیں سمجھیں۔ یہ مجبور ہوں گے کہ زبان کو صاف کریں، بیان کو صاف کریں، کچھ کہیں تو ایسے کہیں کہ کوئی سمجھے بھی۔ زبانوں کی تاریخ جاننے والے جانتے ہیں کہ زبان جیسے جیسے آگے بڑھتی ہے بولنے اور لکھنے والے کے مقابلہ میں سننے اور پڑھنے والے کا اثر اس پر بڑھتا

جاتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو، زبان سماج کی لونڈی ہے، سننے والوں سے کیسے منہ موڑ سکتی ہے، یہ بولنے والے کے دل کا حال تو کہتی ہے، پر سننے والے کی سمجھ کا پاس بھی اسے کرنا ہوتا ہے۔ ہاں، شاعری میں کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن میں کہنے والا بس اپنا جی ہلکا کرنا چاہتا ہے، کبھی ایک آہ سے، کبھی ایک واہ سے۔ پر میں تو سمجھتا ہوں کہ اس دل کو ہلکا کرنے کے لئے بھی شاعر تک کو سمجھنے والوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی سنسان میدان میں ایک سوکھے ٹھنٹھ پر کبھی کبھی کوئی چڑیا گا لیتی ہے، پر زیادہ بلبل باغ ہی میں چہچہاتے ہیں۔ اس لئے میرا تو خیال ہے کہ شاعر اور ادیب بھی جلد ہی ہندستانی میں لکھا کریں گے، یعنی اس بول چال کی صاف زبان میں جس سے کوئی لفظ اس لئے نہ نکالا جائے گا کہ وہ کہیں اور سے آیا تھا، اور جس میں برابر نئے لفظ بھی باہر سے لئے جائیں گے۔ مگر بے میل موٹے موٹے لفظ عربی کے ہوں کہ سنسکرت کے، اس میں یوں ہی نہ ٹھونسے جائیں گے۔ یہ ہندستانی قوم کے آپس کے میل جول کی نشانی ہوگی، ہمارے پچھلے کاموں کی یادگار، ہمارے آگے کے حوصلوں کا آئینہ۔

پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفیؔ

۲۴ر فروری ۱۹۳۹ء

ہندستانی کیا ہے ؟ اس کا مطلب یہی ہے کہ ایسی بولی جسے ہندستان کے سارے آدمی سمجھ سکیں اور بول بھی سکیں۔ گھڑی بھر کے لئے یہ مان لیجئے کہ ایسی بولی اس وقت دیس میں کوئی نہیں ہے۔ تو یہ پوچھا جائے گا کہ کیا ایسی بولی پیدا ہو سکتی ہے۔ اس کا جواب ہے ہاں ہو سکتی ہے۔ یہ یوں کہ پہاڑی بستیوں کو چھوڑ کر جہاں کی بولیوں کا گینڈا کچھ نرالا ہی ہے باقی ملک میں جو بولیں سرنام ہیں ان کو دو ٹولیوں میں بانٹ سکتے ہیں ایک آرین دوسری دراوڑی۔ اردو ہندی مرہٹی بولیاں آرین ہیں اور تامل تیلگو اور دوسری دیسی زبانیں دراوڑی ہیں۔ آج کل ہر چیز گڈ مڈ ہو رہی ہے۔ زبانوں کا بھی یہی حال ہے۔ کتابوں کی بات تو رہی الگ یہاں بس یہ کہنا ہے اور یہی پوچھا گیا ہے کہ ایسی بولی کون سی ہے جسے سب سمجھ لیں اور بول بھی سکیں۔ اس کو

مان کر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ بولی ہندستانی ہی ہے۔ ہندستانی کیا چیز ہے؟ اس کا جواب ابھی بہت دن نہیں ہوئے پٹنہ میں دیا گیا۔ بہار کی سرکار کو یہ بتانے کے لئے کہ بچوں کی پڑھائی کی کتابیں کیسی زبان میں ہوں۔ بہت سے لوگ جگہ جگہ سے آکر پٹنہ میں اکٹھے ہوئے میں بھی ان میں تھا۔ سب کی صلاح سے بتایا گیا۔ کہ کتابیں ایسی ہونی چاہئیں جن کو ہندی میں لکھا جائے تو ہندی والے بچے اچھی طرح سمجھ لیں۔ اور اردو میں لکھا جائے تو اردو پڑھنے والے بچے اچھی طرح سے سمجھ سکیں۔ اس کے سوا یہ ہوا کہ لمبی چوڑی بات چیت ہو کر اردو اور ہندی والوں نے یہ ٹھہرایا کہ ہندستانی کیا ہے؟ ہر زبان کے اخباروں میں اس کی بابت چھپ چکا ہے اس لئے یہاں اس کو میں نہیں دہراؤں گا اسے سمجھوتہ کہو یا آپس کا فیصلہ۔ اس پر ہندی والوں کی طرف سے بابو راجندر پرشاد صاحب نے اور اردو والوں کی طرف سے مولوی عبدالحق صاحب نے دستخط کئے یہ پایا جاتا ہے کہ کم سے کم بہار کی سرکار نے تو اسے مان لیا۔ مان ہی نہیں لیا بلکہ اس فیصلے پر وہاں کام بھی ہونے لگا۔ اس نے "ہندستانی کمیٹی صوبہ بہار" کے نام سے ہندوؤں اور مسلمانوں کی ایک کمیٹی بھی بنائی جو بابو راجندر پرشاد صاحب کے نیچے کام کر رہی ہے۔

بات کو تھوڑا کریں تو سوال کا جواب آچکا اور سمجھنے والے سمجھ گئے کہ ہندستانی کیا ہے؟ پر سب کو سمجھانے کے لئے کچھ اور کہنا چاہیے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایسی بولی جسے سب سمجھ سکیں اور جسے سب سمجھ سکتے ہوں اُسے وہ کسی نہ کسی ڈھنگ سے بول بھی سکتے ہیں؟ سُنئے۔

اچھا گا نا سُن کر ہم یہ کہتے ہیں بہت خوب! بنگالی صاحب کہتے

ہیں "بیش بھالو"! دونوں تعریفیں ایک جیسی ہیں بیش کے معنی بہت' اور
خوب کہتے ہیں 'اچھے' یا 'بھلے' کو اپنا اپنا بولنے کا رستہ ہے 'بھلے' کا 'بھالو'
بن گیا بات ایک ہی رہی - اب ملک کے اوپر اور نیچے کے حصوں کو لیجئے پنجاب
میں کسی کو پکار کر بلائیں تو اُسے 'ہانک مارنا' کہتے ہیں بالکل یوں ہی اور یہی
مرہٹی میں بولتے ہیں دونوں میں بال برابر بھی بل نہیں یہ اور ایسی باتیں اور
لمبی کر کے پھیلائی جا سکتی ہیں - جیسے یہ کہ نظم یعنی کبتا میں محبت سے چند اردو
کے ہندی اور تامل جیسی زبانوں کی سادھارن کبتا اور ناٹکوں میں آ گئے
ہیں اور اسی طرح ہندی کے اور بنگالی کے اردو میں آ گئے ہیں - زبانوں اور
بولیوں میں ایک گرہ پڑی ہوئی ہے - اب انگریزی بھی اردو - ہندی - بنگالی
اور ہماری دوسری زبانوں میں اپنا گھر کر رہی ہے - اور کیوں نہ کرے وہ بھی
تو آرین زبان ہی ہے - ہندستانی کی جڑ تو اسی دن جم گئی جس دن کلکتہ کے
فورٹ ولیم کالج اور چھاپہ خانہ کھولا گیا کتابوں کے سوا جو ہندستانیوں سے
لکھوائی گئیں - جان گلگرسٹ - شیکسپیر اور فاربس جیسے ہندستانی جاننے والے
انگریزوں نے ہندستانی کی ڈکشنریاں اور گرامر آپ لکھیں اس کے پیچھے
لوگوں کی مت ایسی بدلی اور کچھ ایسی رو چلی کہ زبان کی چھیچھا لیدر ہو گئی - اس کا
نمونہ دو ترجمے ہیں جن پر میں ابھی کچھ کہوں گا - پہلا ترجمہ یہ ہے -

"فیڈرل لیجس لیچر کے لئے فہرست رائے دہندگان تیار کرنے
کے سلسلے میں جو ابتدائی کارروائی کی جائے گی - اس کے بارے میں
سر این - این سرکار Sir, N. N. Sirkar. لا ممبر نے آج
اسمبلی میں روشنی ڈالی -

دوسرا لیکھ جس کو پوچھا گیا ہے کس زبان میں ٹھہرتا ہے یہ ہے۔
"سنیکت پرانتیہ ویوستھاپکا پریشد میں ایک پرشن کا اُتر دیتے ہوئے نیائے منتری ڈاکٹر کاٹجو نے ان اُدیوگ دھندوں کی سوچی دی جن کی اُنتی کے لئے سرکار نے سہایتا دینا سویکار کیا ہے" اس میں یہ بتانا ہے کہ فیڈرل لیجس لیچر Federal Legislature. تو جوں کا توں رہے گا ہی کیوں کہ یہ ایک نام ہے ہم سیوک رام کو عبداللہ نہیں بنا سکتے۔ نہ خدابخش کو رام دتا کر سکتے ہیں۔ فہرست بھی ٹھیک ہے اسے گنوار تک سمجھتے ہیں چاہے بولتے وہ 'فرست' ہوں مگر فہرست کے نیچے جو فارسی کی اضافت لگائی گئی ہے۔ یہ ہندستانی میں نہیں کھپ سکتی یہ نہیں چاہیے تھی۔ پھر آتا ہے "رائے دہندگان" اسے ان پڑھ اور گاؤں والے چاہے کچھ نہ کچھ سمجھ بھی لیں تو بھی یہ فارسی کا بھاری بھرکم ملا ؤ ہندستانی میں جگہ نہیں رکھتا 'ابتدائی کارروائی' یہ ٹکڑا بھی بدلا جا سکتا ہے۔ "اس کے بارے میں" کی جگہ اس کی بابت ہونا چاہیے جسے سب سمجھتے اور بہت سے لوگ بولتے ہیں 'روشنی ڈالی' بھی کھٹکتا ہے نہ یہ ٹھیک ترجمہ ہے مطلب یہ کہ ترجمہ اردو ہے ہندستانی نہیں۔ اس کی ہندستانی میری سمجھ میں یہ ہوتی ہے۔

"فیڈرل لیجس لیچر کے لئے رائے دینے والوں کی فہرستیں بنانے میں پہلے جو کام کیا جائے گا اس کی بابت سر این این سرکار قانونی ممبر نے آج اسمبلی میں سب کچھ کھول کر بتایا" یہ دوسرا ترجمہ میں نہیں کہہ سکتا کس زبان میں ہے۔ سادھارن آدمی اس سے کچھ نہ سمجھے گا۔ پہلے ہی سنیکت لکھا ہوا ہے جو بہت موٹا لفظ ہے جس کو سنسکرت پڑھا ہوا ہی سمجھ سکتا ہے۔

یہ ترجمہ ہے 'یونائیٹڈ' کا۔ ابھی کہہ چکا ہوں کہ ناموں کا ترجمہ نہیں کیا کرتے "سنیکت پرانتیہ ودیوستھا پکا پریشد" کسی کھینچ تان سے بھی نہ تو ہندی کہا جا سکتا ہے اور نہ ہندستانی یہی حال 'اُدیوگ دھندوں' کا ہے اصل میں مینو فیکچر Manufacture تھا۔ جس کا ترجمہ دھندا کر لیا گیا۔ دھندے میں دکانداری اور روپیے کا لین دین بھی آتا ہے جو بینک کرتے ہیں یہاں یہ مطلب نہیں۔ میں اس کو ہندی کبھی نہیں کہہ سکتا۔ یہ کوئی انوکھی اور نرالی بولی ہے اگر اسے بولی کہا ہی جائے۔ میں اس کی ہندی یوں بناتا۔

" یوپی کی اسمبلی میں نیائے منتری ڈاکٹر کاٹجو نے ایک پرشن کا اُتر دیتے ہوئے ان نئے کارخانوں کی سُوچی دی جن کی انتی جانچ ابھی ہوئی ہے اور جن کے لئے سرکار نے مدد دینا منظور کیا ہے"۔

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ "غریب نواز" جیسے فارسی ٹکڑوں کی طرح "مدد" اور "منظور" ہندی میں آچکے ہیں اور آتی جاتی ہیں جاننا چاہیئے کہ "رومال" کو "مُکھ مارجن بستر کھنڈ" کہنا ایسا کھلتا ہے جیسا بھوک ہڑتال کو "مقاطعہ جُوعی" کہنا۔

ایسی بولی جس پر ابھی بات اٹھی۔ کوئی نہیں بولتا نہ اس کے لکھنے والوں کے سوا کوئی اسے سمجھ سکتا ہے یہ تو وہی بات ہوئی جیسی ایک کہاوت ہے۔ آب آب کرتے مر گئے اور پانی پینے کو نہ مل سکا۔ ملتا کیسے؟ گھر والے تو پانی سمجھتے اور بولتے تھے اور مانگنے والا فارسی کے پگلے پن کی بھینٹ چڑھ چکا تھا۔

وہ کوئی زبان ہو اردو یا ہندی بول چال اور مطلب سمجھانے میں سادھارن ہونی چاہیئے۔ اس لیئے اس ترجمہ کی زبان کو کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ علم کی کتابوں کی بات تو ہے دوسری۔ کام کی باتیں اپنی سادھارن بولی میں کہی جا سکتی ہیں۔ بات کو تھوڑا تھوڑا کر کے یہ کہنا کہ اسی کا کچھ نام ہی رکھنا ہے تو اسے سنسکرتی ہندی کہہ سکتے ہیں۔

کبیر جی اور شاہ نظیر جس بولی میں اپنا راگ گا گئے۔ وہ ہندستانی کی داغ بیل تھی۔ اس کے پیچھے سرکار نے جو کچھ کیا وہ ابھی بتایا گیا ہے۔ اب جو کچھ کرنا ہے۔ وہ سب کے سامنے ہے اور وہ یہ ہے کہ ایک ایسی بولی کو سارے ملک میں پھیلایا جائے جس کو سب سمجھ سکیں چھاونی میں لال کرتی بازار کے کباڑی کا یہ کہنا "صاحب ٹو روپی Two rupee خوشی ٹیک Take. خوشی نہ ٹیک" کہنے والے کے دل کی بات کو زیادہ کھول کر دکھاتا ہے اور سننے والا بھی سمجھ جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ یہ کہے "میں ردِ قول کو ردِ عمل سے کم قابل تعزیر نہیں قرار دیتا۔ دو روپیئے سے کم لینا میرے نزدیک بمنزلہ گناہ کے ہے" تو کہیئے اسے کون سمجھے گا؟ یہیں سے "لنگوا فرینکا" یا سادھارن بولی کی رام کہانی چھڑتی ہے۔

زبان کی جانچ پڑتال کے پھیر میں مجھے یہ پتہ چلا ہے۔ کہ جب سے دیسی زبان والے فارسی اور عربی اور سنسکرت کے سامنے اندھا دُھند ہاتھ پھیلانے لگے۔ تب سے نئے لفظ اور نئے جوڑ میل گھڑنے سے رہ گئے اور وہ ایک دیندار کے سے کنوڈے بن گئے۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ وہ زبانیں اب ایڑی چوٹی کا زور لگا کر کوئی نئی گھڑنت ایسی نہیں دکھا سکتیں

جو بولتی مورت سمجھی جا سکیں۔

علم کی کتابوں کا ذکر نہیں جن میں بہت سے لگے بندھے لفظ ایسے ہوا ہی کرتے ہیں جن کا سمجھنا بہت کٹھن ہے اعلیٰ سے یہاں ہمیں کام نہیں اور میں تو یہ کہوں گا کہ اگر دل پر ہاتھ رکھ کر اور آنکھیں کھول کر دیکھیں اور من میں بس یہی چاہت ہے کہ دوسرے کو یہ گُر سمجھا دینا ہے تو اس کا رستہ بھی نکل سکتا ہے۔ دیکھیے ہائیڈرو الکٹرک Hydro Electric. کے لئے کیوں ہم عربی یا سنسکرت کے لمبے اور انوکھے ان گھڑ لفظ لیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ ہم ہائیڈرو الکٹرک کو "پن بجلی" کیوں نہ کہیں اور لکھیں ہر ایک اسے سنتے ہی سمجھ جائے گا کہ وہ بجلی جو پانی کی طاقت سے پیدا کی جائے یہ ہے ہندستانی۔ یوں ہی سوچ بچار اور کھلے دل سے کام لیں تو جو باتیں ہم کو پہاڑ دکھائی دیتی ہیں وہ رائی بن جائیں۔ جب ایک زبان بن جاتی ہے وہ چاہے کتنی ان گھڑ اور بے تکی ہو۔ تھوڑے دنوں میں نکھر سنور کر اپنے آپ سہانی ہو جاتی ہے۔ ہندستانی کو یہ بھی نہیں کرنا ہی کیوں کہ وہ پہلے ہی منجھی ہوئی اور ستھری ہے کرنا بس یہ ہے کہ ہم اسے اس کی جگہ پر بٹھا دیں۔

بہت برس ہوئے یو۔ پی گورنمنٹ نے بنارس کے راجہ شوپرشاد کو لکھا کہ وہ ایک گریمر بنائیں جو اردو ہندی دونوں میں کام دے سکے۔ انھوں نے بنائی۔ اسے ہندستانی کی گریمر کہنا چاہیے حال ہی میں جو ہندستانی فلمیں پسند کی گئی ہیں ان کی بات چیت کو ہندستانی کہوں گا، یہ مانا کہ کہیں کہیں اس میں ادل بدل ہو تو اچھا۔ اور

اگر کوئی اپنے منہ میاں مٹھو کی پھبتی اُڑائے تو میں بے دھڑک کہوں گا کہ ابھی جس زبان میں میں بولا ہوں وہ ہندستانی ہے۔

آصف علی صاحب

۲۵ر فروری ۱۹۳۹ء

آج پانچ دن سے اردو ہندی کی گتھیوں کو سلجھایا جا رہا ہے۔ کھرے کھوٹے کی پرکھ کے گُر بتائے جا رہے ہیں۔ اور بول چال کے سانچے اُلٹ پلٹ کر دکھائے گئے ہیں پر نچوڑ کا سوال اتنا ہے کہ اس زبان جانچنا ہے جو بولی جاتی ہے یا نئی بولی بناتی ہے۔

جو اردو اور ہندی آج لکھی جاتی ہے وہ کھری بھاشا نہیں جس سے اردو بنی اور جس نے خسرو کو موہ لیا تھا۔ ہندستانی تاریخ میں وہ دن نہیں ملتا جب برج بھاشا اور فارسی نے گلے مل کر اردو کا چولا بدلا تھا۔ اور دو تہذیبوں یا سبھاؤں کا میل اور سنجوگ ہوا تھا۔ یوں تو مسلمانوں کے ہندستان میں رہے بسے پچھلے چھ سو برس تک راج اور دفتر کی زبان فارسی رہی پر عام لوگوں نے بول چال کی زبان اور ٹھیر الی تھی جو آگے بڑھ کر اردو بن گئی۔ جس طرح آج انگریزی

زبان سے ہندستانی زبانوں کا لین دین چل رہا ہے۔ وہی پچھلے سات سو برس میں فارسی عربی سے رہا۔ اس سے زبان میں بڑھوتری ہی ہوتی ہے کچھ گھٹتا نہیں، ہاں ہر زبان کا ایک ڈھانچا ہوتا ہے۔ جس میں دوسری زبانوں کے بعضے لفظوں کی بیٹھک اور کھپت ہو سکتی ہے اور بعضوں کی نہیں۔ بولنے والے آپ کانٹ چھانٹ اور چھیل چھال کے اوپری لفظوں کو سانچے میں بٹھا لیتے ہیں۔ بٹن، بوتل، ریل، ریڈیو، اسکول، اسٹیشن جیسے اردو میں آ گئے اسی طرح سنسکرت عربی فارسی اور ترکی کے لفظوں کا حال ہوا۔ اردو یا ہندی میں ان زبانوں کے لفظوں کا رنگ روپ چھوڑ معنے تک بدل گئے ہیں۔ آج لوگ خواہ مخواہ اصلی لفظ اور معنی یا ارتھ اور اُچارن پر زور دیتے ہیں۔ اردو میں تو ان گنت لفظ برج بھاشا کے وہ کے وہی ہیں جو سات سو برس پہلے تھے اور عربی فارسی کے جو لفظ بھی آ گئے ہیں وہ چور سائی میں آ چکے ہیں۔ جو گنی ناپ تول اور کھینچا تانی آج چل رہی ہے اس سے نہ اردو عربی فارسی اور نہ ہندی سنسکرت بن سکتی ہے۔ اگر فارسی یا سنسکرت عام زبان ہو سکتیں تو اردو اور پچاسوں پراکرتیں کیوں جنم لیتیں۔ مسلمانوں کے آنے سے پہلے تو سنسکرت کا رستہ کھلا تھا۔ بات اتنی تھی کہ جب تک ہندستان میں ان پڑھوں کی وہ گنتی رہیگی جو آج ہے بول چال اور لکھے پڑھوں کی زبانوں میں پھیر رہے گا۔ عام مسلمانوں نے جو باہر سے نہیں آئے تھے۔ سو میں سے دس پانچ باہر کے لفظ لے لئے ہوں گے۔ نہیں تو جو وہ بولتے آئے تھے بولتے رہے آج بھی کروڑوں ہندو مسلمان پشتو، پنجابی، گجراتی، سندھی، بنگالی اُڑیہ، کونکنی مرہٹی، تامل، تلگو، ملایالم، کاتری، مارواڑی اور اور زبانیں بولتے ہیں۔

اسی طرح ہندستان کا ایک بہت بڑا ٹکڑا اردو بولنے لگا۔ ہاں جہاں علم وفن کا سوال ہے اردو اور ہندی دونوں کا ڈیل ڈول الگ ہے، ہزار ڈھانچا، گریمر قواعد ویاکرن ایک ہوں پر علم وفن فلسفہ، دین دھرم اور سوچ بچار کے پیچیدہ مضمونوں میں پورا اڈانے کے لئے اردو عربی فارسی اور ہندی سنسکرت سے لفظ لئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ رہی دلّی کی اردو تو یہ تو وہی زبان ہے جو سات سو برس سے چلی آئی ہے اور اب پل بڑھ کے اتنا روپ نکال چکی ہے اور پرانی برج کی کہاوتیں، دوہے، بھجن، گیت، کہہ مکرنیاں، پہیلیاں، محاورے اس زبان کا آج بھی سنگار ہیں۔ اگر اسے ٹکسالی زبان مان لیجئے تو اس کسوٹی پر کھرا کھوٹا پرکھنا کیا مشکل ہے۔ آج کل جو اردو یا ہندی پالی پوسی جا رہی ہے اس کا تو نری ہٹ سے نکاس ہوا ہے ایک طرف عربی فارسی کے بوجھل لفظ لے لئے جاتے ہیں تو دوسری طرف جان جان کے سنسکرت کے شبد لئے جاتے ہیں۔ ٹکسالی اردو کی پہچان کا تو سیدھا سا گر ہے کہ عربی اور سنسکرت کی ڈکشنری دیکھے بن کام چل سکے۔ اگر پرانا ہندستان یعنی دلّی، آگرہ، اودھ، پنجاب اور بہار، راجپوتانہ، مگدھ دیش اور دکھن، دلّی کو کسوٹی بنا لیتے تو آج گورکھ دھندے کے بلوں اور پھیروں میں نہ الجھتے۔ گھر یلو بیجوں سے کھیتی ہوگی تو جو جیسا بوئے گا ویسا کاٹے گا۔ جو کے کھیت میں گیہوں اور بیر کے باغ میں انار تو ہونے سے رہے۔

زبانیں تین طرح بنتی اور پھیلتی ہیں۔ سب سے پہلے تو آدمی کی ضرورتوں سے۔ جب آدمی کچھ کہنا چاہتا ہے۔ تو اس کے لئے لفظ بھی ٹٹول لیتا ہے۔ یہ ترکیب لاکھوں برس سے جاری ہے۔ جس نے دیس دیس کی زبان الگ

بنا دی اور دیس تو دیس شہر شہر محلّے ٹولے کے لب و لہجہ میں پھیر ہو جاتا ہے۔ جسے
جاننے والا سنتے ہی تاڑ لیتا ہے دوسرے دین دھرم اور راج پاٹ کی چھاؤں
میں۔ بدھ دھرم سنسکرت اور پالی کے لفظوں کو چین جاپان لے گیا۔ عیسائی مذہب
نے عبرانی کے بعض لفظوں کو دنیا بھر میں پھیلا دیا۔ اسلام نے عربی کے لفظوں
کو دیس دیس میں پہنچا دیا تیسرے راج کے جھنڈے تلے۔ اس کی مثالیں
بہتیری ہیں۔ آج ہم آپ بھی انگریزی بولنے لکھنے پر مجبور ہیں جس کا راج اس کی
زبان۔ مگر یہ بات ٹھیک نہیں کہ زبان ایک ہونے سے جھگڑے ٹنٹے مٹ
جاتے ہیں۔ کیا مہابھارت نہیں ہوئی فارسی عربی بولنے والے آپس میں نہیں
لڑے انگریزی بولنے والوں میں لڑائیاں نہیں ہوئیں اگر زبان ایک ہونے
سے جھگڑے چک سکیں تو ساری دنیا کی زبان ایک بنانی چاہیئے۔ ایک دفعہ
یورپ میں اس خیال سے اسپرانٹو زبان چلانے کا زور بندھا تھا مگر پار نہ
بسائی۔ لڑائی جھگڑوں میں تو نہ جانے خود غرضی کے تانے بانے پورے
جاتے ہیں مگر یہ سچ ہے کہ اپنی کہہ اور دوسرے کی سُن سکے۔ تو ایک رکاوٹ
گھٹ جاتی ہے۔ اس لئے اگر سارا ہندستان انگریزی کی جگہ کوئی اور زبان
بولنے لگے۔ تو اچھا ہوگا۔ اس خیال سے ایک نئی زبان جسے ہندستانی کہیں بنا
لیجئے۔ اور اس میں سب ہندستانی دیسوں کی زبانوں کی ایک ایسی کھچڑی ہونی چاہیئے
جو رچ پچ جائے۔ جس طرح انگریزوں نے آٹھ نو سو لفظ ایسے چن لئے ہیں
جو بول چال اور معمولی کارروائی کے لئے کافی ہیں اور وہ بنیادی انگریزی بن گئی
ہم بھی ہندستان بھر کے لئے ہندی اردو کے وہ لفظ چھانٹ لیں جو دوسرے
دیسوں کی زبانوں میں کسی نہ کسی روپ میں ملتے ہوں۔ اور اُسے ہندستانی

ہندُستان ایک دیس تو نہیں یہ تو کئی دیسوں کا مہا دیس ہے بولی ٹھیرالیں۔ ہندُستانی، پنجابی، پٹھان، بہاری، بنگالی، مدراسی، دکھنی مرہٹے گجراتی سندھی راجپوت، مارواڑی میواڑی، اُڑیہ سب کے رسم ورواج پہنا اوڑھنا کھانا پینا، رہن سہن ملے جلے ہوتے پر بولیاں الگ ہیں۔ اس لئے اگر انگریزی کا چلن جاتا رہے گا تو ہر دیس کی اپنی بولی تو وہی رہے گی جو ہے۔ انگریزی کی جگہ ہندُستانی ہو جائے گی مگر یہ ہندُستانی تو بنانی پڑے گی۔ جو نہ تو آج کی اردو ہو سکتی ہے اور نہ ہندی۔ اس لئے کہ یہ دونوں نئے رستوں پر گئی ہیں۔ دلّی اُجڑی، لکھنؤ بسا اور وہاں اردو میں عربی فارسی کے پیوند لگائے گئے۔ ابھی یہ نیا پودا پھولنے پھلنے نہ پایا تھا کہ لکھنؤ کا چراغ بھی بجھ گیا۔ پھر لاہور اور حیدر آباد نے اِس کو سینچنا شروع کیا۔ جوں جوں دلّی کی اردو میں باہر جا کے عربی فارسی کے گُل بوٹے کھِلے اور دوسری طرف راج نیتک بھاؤ بڑھا وہ لفظ بھی جو اردو کی جان تھے۔ ہندی میں پراچین سنسکرت کا چولا پہن پہن کر سامنے آ کھڑے ہوئے۔ پرانی اردو اور ہندی میں انگنت لفظ ایک تھے اور بیسیوں پیڑھیوں سے لوگ وہ بولتے آئے تھے مگر آج سب کی شکلیں بدل رہی ہیں۔ ادھر عربی فارسی کا بہاؤ ہے۔ ادھر سنسکرت کا چڑھاؤ۔ ادھر نیند خواب تو ادھر شائن۔ اِدھر بیکل اضطراب تو اُدھر ویاکل ہونا۔ اِدھر بیٹھک نشست تو اُدھر ادھویشن۔ اِدھر بپتا سانحہ تو اُدھر وپتی، اور تو اور سورج سوریہ رات راتری، جاگ جاگرتی۔ سُبھ اور سُدھ بھی شبھ اور شدھ ہو گئے۔ آج ہندی والے عربی فارسی کے ان لفظوں کو جو ڈھل ڈھلا کے اردو ہو گئے تھے چُن چُن کر نکالتے ہیں اور پرانی پراکرت کے ڈھلے ڈھلائے بولوں کو بھی سنسکرت

میں رنگتے ہیں ۔ اور اردو والے ہوتے ہواتے اردو کے لفظ چھوڑ کر عربی فارسی پر گرتے اور ٹوٹتے ہیں۔ وہ سیدھی سادی اردو جو دتی میں سینکڑوں برس سے بولتے چلے آئے ہیں آج بھی نوے گھروہی ہے جو برج والوں سے سیکھی تھی۔ آخر آج اس میں کیا بس گھل گیا ہے کہ برس کا ورش ۔بس کا وِش ۔جتن کا یتن کارن کا کارنڑ ۔اچرج کا آشچریہ بنایا جاتا ہے یہی حال رہا تو اگر چار پانچ برس میں اردو اور ہندی الگ منہ موڑ کے بیٹھ جائیں تو مجھے کچھ اچنبھا نہ ہوگا۔

بول چال اور علم وفن کی زبان میں ضرور پھیر پڑجاتا ہے ۔بول چال میں زبان ہلکی پھلکی رہ سکتی ہے ۔مگر علم وفن میں کوری کہاوتوں اور نرے محاوروں سے بات نہیں بنتی ۔بیچارے انشا اللہ خاں نے لکھنو میں یہ بھی کر کے دیکھ لیا۔ اور ان کی کوشش کا نمونہ "دریائے لطافت" میں ملتا ہے ۔ اس وقت ہندی اور اردو جس چال سے بڑھ رہی ہیں اور آگے بڑھتی دکھائی دیتی ہیں اس کا نتیجہ صاف ہے ۔ اور وہ یہ کہ یہ دو زبانیں الگ الگ ہوگئی ہیں اور ہو جائیں گی۔ اس لئے روٹھنے اور ہٹ کرنے کا کام نہیں۔ دونوں کو الگ چلنے دیا جائے اور ہندستانی ایک تیسری زبان سوچ بچار کر کے بنائی جائے۔ نچلی جماعتوں میں ہندستانی پڑھائی جائے ۔ اور اونچی جماعتوں میں جو جس کی زبان ہو وہ پڑھائی جائے ۔کسی سے کسی کو شکایت نہیں۔ ہندی کو ہندستانی یا اردو کو ہندستانی کہنے کی ضرورت نہیں ۔جس کی جہاں مانگ ہوگی وہی بولی چلے گی ۔جب گرما گرمی گھٹے گی ۔ اور ہماہمی کا بخار ہلکا پڑے گا ۔ تو ہو سکتا ہے کہ اردو ہندی کے میل کا نیا رستہ نکل آئے۔

آج کی بوجھل اور کڑی اردو اور ہندی اور کھری اردو کے تین

نمونے سُن لیجئے - اور خود فیصلہ کیجئے کہ ٹھیک کیا ہے - ایک ہی سماں تین
زبانوں میں سُنئے -

بوجھل اردو :- شب تاریک میں رشکِ الماس ستارے ضیاپوشی
کر رہے ہیں - اشجار و اثمار ، وحوش و طیور ، تموّج رود و بحر سب سکوت کے
آغوش میں خوابیدہ ہیں - بزمِ زیست کا طرب انگیز زمزمہ جو طلوعِ آفتاب
کے بعد مثلِ ایک سر بفلک کشیدہ فوارہ کے بادِ بہار کے ناز و انداز
کر رہا تھا ساکت و صامت ہے -

بوجھل ہندی :- گھنگھور راتری میں ہیرے کو لجت کرنے والے
تارے جیوت کی ورشا کر رہے ہیں - برکش اور پھل ، پکشی اور پشوا اور
دھاراؤں اور سمندر کی ترنگیں بھی ٹھہراؤ کی گود میں شانت کر رہی ہیں - جیون
کی سبھا کا سنگیت جاگرت گائن جو سوریہ کے اُدے ہوتے پشچات آکاش سے
باتیں کرتے پھوارہ کے سمان وسنت وایو سے اچپلاہٹ کر رہا تھا اس سمے
چُپ اور ستھر ہے -

سیدھی اردو :- رات اندھیری ہے اور ہیروں کو لجانے والے
تارے جگمگا رہے ہیں - پیڑ ، پھل ، چوپائے ، پرندے ، دریا اور سمندر کی
لہریں سب خاموشی کی گود میں سو رہے ہیں - زندگی کی محفل کا دل گدگدانے والا
گیت بھی جو کرن کے پرے ایک ایسے فوارہ کی طرح جو آسمان سے باتیں
کرتا ہو بہار کی ہوا سے اٹھکیلیاں کر رہا تھا - اب ٹھہر گیا اور چپ ہے -

اس مضمون کو پچاس طرح ادا کیا جا سکتا ہے - پھر وہ کون سا ہندی
بولنے والا ہے جو اس آخری نمونے کو نہ سمجھ سکے - یہ اردو بولی تو جاتی ہے

اگر لکھی بھی جاتی رہے تو شاید "سوریہ اودے" نہ ہو بلکہ سورج ہی نکلتا رہے
ریڈیو زبانوں کے سمیٹنے اور پھیلانے میں اسکولوں سے بھی بڑھ کر کام
کرسکتا ہے اگر اردو اور ہندی الگ الگ زبانیں مان لی جائیں تو نئی زبان
ہندستانی ریڈیو کے رستے سے چل نکلے گی ۔ پشاور ، لاہور، لکھنؤ اور دلی کی
زبان اردو مان لیں اور پٹنہ اور ناگپور کی ہندی ۔ اور باقی اور صوبوں کی وہی
زبان جو وہاں بولی جاتی ہے تو روز مرّہ پر ریڈیو اسٹیشن سے ہندستانی اور
مقامی زبان میں خبریں سنائی جایا کریں اور چھوٹی لہر یعنی Short wave
پر انگریزی میں تو سب کی مانگ پوری ہو جائے گی ۔ اور ہندستانی بھی پھیل
نکلے گی ۔ مگر یہ ہندُستانی ہو کیا ۔ ایک کیٹی بننی چاہیے ۔ جو ہندستانی زبان
بنانے کا بیڑا اُٹھائے ۔ اور جہاں تک ہو سکے سب ہندستانی زبانوں میں
جو لفظ گھلے ملے پائے چھانٹ کے اکٹھے کرے اور جو لفظ نہ ملے اس کی جگہ
انگریزی کے لفظوں کو یا کسی ہندُستانی دوسری زبان کے لفظوں کو چھیل چھال
کے سانچے میں بٹھاوے ۔

ریڈیو والوں نے جو نمونے ہمیں دیئے ہیں ان سے ان بیچاروں کی
مصیبت کی تھوڑی سی جھلک دکھائی دیتی ہے انھیں تو روز تھوڑی تھوڑی دیر
میں انگریزی کا ترجمہ کرنا پڑتا ہے ۔ اب وہ کیا کریں ۔ جب خود اخباروں کی
اردو اور ہندی اس نمونے کی ہو ۔ گھڑے گھڑائے لفظ تو ملتے نہیں اور ترجمہ
ایسے لفظوں کا کرنا پڑتا ہے ۔ جو پہلے اردو ہندی یا سنسکرت تک میں موجود
نہیں ۔ آخر اکتا کے یا تو وہ فیڈرل لیجس لیچر اور لا ممبر کو یوں ہی چھوڑ دیتے ہیں
جیسا کہ اردو کے نمونے میں اور یا وہ یو ۔ پی اسمبلی کے لئے ایک ان مل بے جوڑ

سنیکت پرانتیہ دیوستھا پکا پرشد جیسا بے ڈول فقرہ گھڑتے ہیں۔ جیسا کہ ہندی
کے نمونہ ہیں۔ یہ دونوں تو اردو ہندی کے لیپا پوتی کے نمونے ہیں۔ اب
ہندستانی کیا ہو۔ اس پہیلی کی بوجھن بڑی کٹھن ہے۔ کیوں کہ اس بھاشا کا
بیپار بھی مندا چل رہا ہے۔ یہ اُس دن تیز ہو گا جب لوگ اردو اور ہندی
کو ہندُستانی کہنا چھوڑ دیں اور ہندستان کو ایک نئی زبان سمجھ کے اُس کی
داغ بیل ڈالیں۔ اس وقت اردو والوں کو اختیار ہو گا۔ کہ وہ فیڈرل
لیجس لیچر کو وفاقی ایوان قانون ساز کہیں یا سیدھا سادا فیڈرل کونسل یا
اور کچھ، اور اسی طرح ہندی کا راستہ بھی صاف ہو گا۔ کہ جو چاہے اس کا بنائے
مگر ہندستانی میں یہ راشٹری پنچایت کہا جا سکتا ہے۔ جو شاید آگے چل کر
استری پنچایت رہ جائے۔ اسی طرح دوسرے لفظوں کا حال ہو گا۔ اردو میں
تو سوال جواب ہی چلے گا۔ ہندی میں پرشن اُتّر ہی سہی مگر ہندُستانی میں چونکہ
پوچھنا پرشن ہی کا بگڑا ہوا ہے۔ بوجھن کے تول پر سوال پوچھن ہو سکتا ہے
اور جواب چاہے اُتر رہے یا دکھن اردو والوں کی گوں کا تو ہے نہیں۔
میری ساری رام کہانی کا نچوڑ یہ ہے کہ اُردو، ہندی، ہندُستانی تین
الگ زبانیں ہیں اردو تو بنی بنائی ہے۔ اور ہندی بھی اب بن چکی ہے ان
دونوں کے سنجوگ سے جو گنگا جمنی زبان بننے والی ہے۔ وہ ہندُستانی ہے
یہ کام نئی تانتی کا ہے۔ کہ وہ اس نئی بھاشا کی چولیں اس طرح بٹھائیں کہ اس
میں کان نہ رہے۔